جون/جولائی 2025ء
قیمت:200روپے
ماہنامہ
کرائم بیورو
کراچی
ABC باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت



ایران نے اسرائیل کو غزہ بنا دیا

صیہونی غرور راکھ میں بدل گیا

پاکستان ہمیشہ زندہ باد

CRIME

CRIME STOPPERS

PROUD TO SERVE
SINDH POLICE

CRIME SCENE DO NOT CROSS



انسپکٹر پون کمار
(ایس ایچ او کھارادر)



سب انسپکٹر غلام عباس مری
(ایس ایچ او سول لائن پولیس اسٹیشن)



انسپکٹر زبیر نواز
(ایس ایچ او گارڈن پولیس اسٹیشن)



انسپکٹر مظہر کانگو
(ایس ایچ او بلوچ کالونی پی ایس)

ماہنامہ

کرائم بیورو

کراچی

ABC باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت



آج کے جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس سوشل میڈیا کے دور میں ہم تحقیقاتی صحافت کو زندہ رکھنے کا عزم لئے ایک ماہنامہ میگزین کا اجراء کر چکے ہیں جس میں سینئر اور تحقیقی صحافیوں پر مشتمل تجربہ کار ٹیم کی مجلس ادارت ہے۔ میگزین کا فوکس کرائم کے شعبے سے جڑے تحقیقاتی مضامین سے ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ میگزین کا ہر شمارہ ہر مہینے کی ایک دستاویز کی حیثیت کا حامل ہو۔

کراچی، اسلام آباد، لاہور، حیدر آباد، فیصل آباد، سکھر، پشاور، کوئٹہ سمیت تمام چھوٹے بڑے شہروں سے بیورو چیفس اور ضلعی نمائندگان کے تحقیقاتی مضامین اور رپورٹس آپ کو نہ صرف چونکائیں گی بلکہ ارباب اختیار کو ایکشن میں آنے پر مجبور بھی کریں گی۔

ہماری ٹیم میں شامل ہونے اور میگزین کا حصہ بننے کیلئے رابطہ کریں

واٹس ایپ نمبر: 0312 9222794 - 0300-2056305

ماہنامہ

کرائم بیورو

کراچی

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت

جلد نمبر 05 | جون/جولائی 2025ء | شمارہ نمبر 08

قیمت: 200 روپے

فرمان الٰہی

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے۔
(سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر:35)



فرمان ﷺ مصطفیٰ

تم اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں دعا کیا کرو کہ تم قبولیت کا یقین رکھا کرو اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غفلت سے بھرے دل سے دعا قبول نہیں کرتا۔ (ترمذی)



فہرست

ایران نے اسرائیل کو غزوہ بنا دیا	5
پاکستان ہمیشہ زندہ باد	6
ٹرمپ کی دوستی یا ریچھ کا جپھا	7-8
پاکستان اور انڈیا کی عسکری قیادت نے چار روز کی لڑائی سے کیا سیکھا؟	9-10
لانڈھی جیل میں قیدیوں کا زلزلہ۔۔۔	11
17 سالہ نک ٹاکر شنا یوسف کے قتل کا ملزم ریمانڈ پر اڈیالہ جیل منتقل	12-13
مسجد الاقصیٰ پر تھرڈ ٹیمپل کی تعمیر:	14
مقبرہ، مندر یا جنت کا راستہ؟	15-16
کالج پرنسپل کا قاتلانہ تحفہ:	17
کراچی میں رکشوں اور ٹیکسیوں پر میٹر لگیں گے؟ شرجیل میمن	18
شادی یا نمائش؟ اسراف کے نیچے دبی زندگیاں	19
بھارت آگے نکلا یا جاپان پیچھے رہ گیا؟	20
ٹوٹے شیشے، گولیوں کے نشان اور 216 قیدیوں کا فرار:	21-22
ایسٹ انڈیا کمپنی دنیا کی طاقتور ترین کارپوریشن	23-24
پاکستان نے JF 35 کے شیئرز آسمان پر پہنچا دیے	25
''سولر پینل یا پتنگ، آندھی میں اڑنے لگیں!''	26
جب تاریخ کا شہنشاہ سیاست کے جھوٹے قصے میں پھنس گیا	27
حیدرآباد پولیس میں بھرتی ہونے والے کانسٹیبلز کو آفر لیٹر جاری	28

پبلشر فضیل امر نے خرم پرنٹنگ پریس پاکستان چوک سے چھپوا کر آفس نمبر 1، پاکستان ہاؤسنگ اتھارٹی قائد آباد ملیر سے شائع کیا

crimebeauru@gmail.com

چیف ایڈیٹر: شیخ حسین امر

ایڈیٹر: عرفان ساگر

ڈپٹی ایڈیٹر: مارشا امر

منیجنگ ایڈیٹر: معظمہ جٹ

ایڈیٹر انوسٹی گیشن: شکیل ناچ

مجلس ادارت:
نیاز کھوکھر، راؤ جمیل، آغا خالد، ضیاء الرحمن، ڈاکٹر جعفر عباس، سمیرہ قریشی، ملیحہ عمران (انگلینڈ)، غازی صلاح الدین، فاروق مرزا (امریکہ)، عبدالوحید جیلانی، افضل سندھو، کامران خان، اسداللہ خان، طارق پٹھان

انوسٹی گیشن ٹیم:
چیف رپورٹر: انور سلطان (0300 2056305)

کرائم رپورٹر:
عمیر خان، نعمان صافی، عبداللہ گدی، سہیل آرائیں، سلطان چانڈیو، سومرو احسن کندی (فیصل آباد)
چیف فوٹو گرافر: عبدالستار قریشی

بیورو چیف:
نوید میو (اسلام آباد) سعدیہ حق (لاہور)
چوہدری مستقیم (چنیوٹ) عبدالغفور سروہی (حیدرآباد)

ڈسٹرکٹ رپورٹرز:
ابرار احمد (سوات) مراد عباسی (چنوعاقل)
شہمیر قریشی (ٹھٹھہ) ساجد علی شاہ (چنیوٹ)
انچارج سندھ ڈیسک: سید انعام شاہ

قانونی مشیران:
سید عثمان الحسن ایڈووکیٹ، امجد حسین قریشی ایڈووکیٹ
امان اللہ یوسفزئی ایڈووکیٹ، نظر اقبال (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)



ایران نے اسرائیل کو غزہ بنا دیا

صیہونی غرور راکھ میں بدل گیا







ایرانی میزائلوں کی بارش، اسرائیلی شہروں میں دھماکے، سائرن اور خوف کا راج

تل ابیب میں دھواں، ملبہ اور چیخیں ۔۔ وہی منظر نامہ جو برسوں سے غزہ کی پہچان تھا

اسرائیل کے اشتعال انگیز رویے نے ایک بار پھر مشرق وسطیٰ کو ایک مکمل جنگ کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ ایران پر صیہونی ریاست کا حملہ جو جمعے کی صبح سے شروع ہوا تھا، تادم تحریر اس کی فوجی کارروائیاں جاری ہیں جبکہ اس تنازع میں پہلے سے ہی نازک صورت حال کا شکار خطے کی آگ کو مزید بھڑکانے اور عالمی معیشت کو جھنجھوڑنے کی صلاحیت موجود ہے۔

ان حملوں میں بڑی تعداد میں ہلاکتیں ہوئی ہیں جن میں خواتین اور بچے بھی شامل ہیں اور فوجی اہداف کے ساتھ رہائشی علاقوں کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے۔ متاثرین میں ایرانی فوج کے چیف آف اسٹاف کے ساتھ ساتھ طاقتور پاسداران انقلاب کے سربراہ اور کئی سینئر سائنسدان بھی شامل ہیں۔ کئی ایرانی شہروں پر حملے کیے گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیل کو اہم ایرانی تنصیبات اور سرکاری اہلکاروں کے حوالے سے گہری انٹیلی جنس اطلاعات تھی۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ تہران نے اسرائیل کی جارحیت کو 'اعلان جنگ' قرار دیا ہے۔

تل ابیب نے کہا ہے کہ اس نے 'اسرائیل کی بقا' کو لاحق خطرے کی وجہ سے ایران پر حملہ کیا۔ یہ حقائق کے منافی ہے۔ یہ اسرائیل ہی ہے جو ایران کو مسلسل اُکساتا رہا ہے۔ شام کے دارالحکومت دمشق میں ایرانی سفارتی تنصیبات پر بمباری اور گزشتہ سال تہران میں حماس کے رہنما اسمٰعیل ہنیہ کے قتل کے بعد اسرائیل کو نشانہ بنانے کی غرض سے کیے گئے دو الگ الگ ایرانی میزائل اور ڈرون حملے اس بات کا ثبوت ہیں۔

درحقیقت اسرائیل گزشتہ کئی دہائیوں سے مسلسل دیگر ممالک پر حملے اور لوٹ مار کر کے علاقائی امن کو خطرے میں ڈال رہا ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں غزہ میں قتل وغارت گری مچانے کے علاوہ اسرائیل نے شام، لبنان، یمن اور اب ایران پر فوجی حملے کیے ہیں۔ لہٰذا تل ابیب کی 'سیلف ڈیفنس' یعنی اپنے دفاع میں کی گئی کارروائی کا بہانہ اب شاید ہی معتبر رہا ہو۔ سچائی یہ ہے کہ اسرائیل کا رویہ عالمی امن کے لیے خطرہ ہے۔

کئی ریاستوں بالخصوص مسلم بلاک کی جانب سے اسرائیلی حملوں کی مذمت کی گئی ہے۔ پاکستان کی قیادت اور پارلیمنٹ نے اسرائیلی جارحیت کی مذمت کی ہے اور ایران کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا ہے۔

اس کے باوجود دیگر ممالک اس معاملے کو مختلف انداز میں دیکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے حملوں کو 'بہترین' قرار دیا اور کہا کہ مزید حملے ہو سکتے ہیں۔ لیکن انہوں نے حیرت انگیز طور پر ایران سے مذاکرات کی میز پر واپس آنے کو کہا ہے۔ اس بات کا امکان نہیں ہے کہ اپنے سر پر رکھی بندوق کی وجہ سے ایران مذاکرات کرے گا۔

ایرانی قیادت نے اس حملے کا انتقام لینے کا وعدہ کیا ہے۔ یاد رہے کہ ایران، عراق کے ساتھ ہونے والی 8 سالہ وحشیانہ جنگ سے بھی گزر چکا ہے جبکہ وہ لانگ گیم کھیلنے میں ماہر ہیں۔ اسرائیل نے خبردار کیا ہے کہ جب تک ضرورت ہو حملے جاری رہیں گے۔ اسرائیل کے اس مؤقف کو ایران ایک چیلنج کے طور پر لے سکتا ہے۔

دنیا یہاں ایک انتہائی خطرناک دوراہے پر کھڑی ہے۔ اگر امریکا، اسرائیل کے 'دفاع' میں شامل ہوتا ہے تو معاملات قابو سے باہر ہو سکتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے اجلاس کر رہی ہے۔ اگرچہ اس سے توقعات کم ہونی چاہئیں لیکن اس نئی جنگ کو روکنے کے لیے بھرپور کوششوں کی ضرورت ہے۔

پاکستان ہمیشہ زندہ باد

تحریر۔۔مارشا امر: ڈپٹی ایڈیٹر

جب قومیں آزمائشوں کے بھنور میں گھرتی ہیں، تو اللہ کریم انہیں ایسے رہنما عطا کرتے ہیں، جو نہ صرف دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ رکھتے ہیں بلکہ قوم کے دلوں میں روشنی کا سبب بھی بنتے ہیں

فیلڈ مارشل جنرل سید عاصم منیر صاحب ناقابلِ شکست بُلند سپہ سالار ایسے انسان ہیں، جو صرف ایک جنرل ہی نہیں بلکہ پاکستانی قوم کے بُلند حوصلے، غیرت اور وقار کی عظیم الشان علامت ہیں

آپریشن بنیان مرصوص

سید عاصم منیر صاحب نے آپریشن بنیان مرصوص کے ذریعہ سے بھارت کو انتہائی قلیل وقت میں مُنہ توڑ ایسا جواب دیا کہ ایسی مثال تاریخ میں نہیں ملتی

یقیناً یہ ایک تاریخی فتح تھی

پاکستان کی طاقت کا خوف بھارت پر طاری ہوگیا

قیادت کا آغاز

سید عاصم منیر صاحب پنجاب کی شان اور پاک قرآن کے حافظ ہیں فوجی میدان میں آپ نے سوَرڈ آف آنر کا اعزاز حاصل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ پاکستانی فوج کی قیادت آپ کے خون میں شامل ہے

پیشہ ورانہ مہارت

سید عاصم منیر صاحب پاکستان کی تاریخ کے ان چند افسران میں شامل ہیں، جنہوں نے ملٹری انٹیلیجنس (MI) اور آئی ایس آئی (ISI) دونوں کی سربراہی کی آپ نے کور کمانڈر گوجرانوالہ، کوارٹر ماسٹر جنرل اور بالآخر چیف آف آرمی سٹاف جیسے حساس عہدوں پر نہایت حکمت و فراست سے خدمات سرانجام دیں

فیلڈ مارشل کا اعزاز

پاکستان کی فوجی تاریخ میں یہ دوسرا موقع ہے کہ کسی سپہ سالار کو فائیو اسٹار جنرل یعنی فیلڈ مارشل کا اعزاز ملا ہو، یہ نہ صرف ایک فوجی اعزاز ہے بلکہ قوم کی طرف سے ان پر اعتماد، عقیدت اور سلامتی کی دُعا ہے

قومی نعرہ

"پاکستان ہمیشہ زندہ باد"

جب انہوں نے حالیہ دنوں میں پرجوش انداز میں فرمایا:

"پاکستان ہمیشہ زندہ باد"

تو یہ محض ایک نعرہ نہیں تھا، بلکہ ایک یقین، ایک عہد اور صدیوں تک گونجتی صدا تھی اور ہے۔

آپ کے یہ الفاظ کروڑوں دلوں کی دھڑکن بن گئے

یہ نعرہ پاکستان کی غیور قوم کا دل ہے، جو ایک مضبوط، خوددار اور آزاد پاکستان کے لیے دھڑکتا ہے

شخصیت کے پہلو

سید جنرل عاصم منیر صاحب کی ہستی میں ہمیں توازن، وقار، دانائی، دیانت، صداقت اور جُرات کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے

آپ کی گفتگو میں شائستگی، آپکی خاموشی میں فہم و فراست، اور آپکے فیصلوں میں بصیرت جھلکتی ہے آپ نہ صرف سپہ سالار ہیں بلکہ روحانی باطن والے ایسے قائد ہیں جن کے فیصلے محض جنگی نہیں بلکہ عظیم تدابیر بھی ہوتے ہیں

پاکستان کے لیے نظریاتی محافظ

فیلڈ مارشل سید عاصم منیر صاحب اُن افراد میں شامل ہیں جو نہ صرف پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کے محافظ ہیں بلکہ اس کی نظریاتی بنیادوں کے نگہبان بھی ہیں

آپکا ہر بیان، ہر قدم، ہر حکمت عملی ایک ہی مقصد کے گرد گھومتی ہے (پاکستان کی سلامتی، خودمختاری اور عزتِ نفس)

فیلڈ مارشل سید عاصم منیر صاحب اس زمانہ کے وہ نایاب ہیرو ہیں، جو قلم و تلوار" دونوں کو ساتھ لے کر چلنے کا ہنر جانتے ہیں

آپکی قیادت میں قوم کو نئی سمت، فوج کو نئی طاقت اور پاکستان کو نئی اُڑان ملی ہے

آپ کا نعرہ

"پاکستان ہمیشہ زندہ باد"۔

محض ایک آواز نہیں، بلکہ ایک بیداری، ایک فخر اور ایک عہد نو ہے

اللہ کریم فیلڈ مارشل جنرل سید عاصم منیر صاحب کا سایہ ہم پاکستانیوں پر ہمیشہ سلامت رکھیں۔ آمین



ٹرمپ کی دوستی یا ریچھ کا چپا

انڈیا نے اب تک ٹرمپ کے جنگ بندی کروانے کے دعویٰ پر چُپ سادھ رکھی ہے۔ جبکہ پاکستان نہ صرف اس دعوے کی تصدیق کر چکا ہے بلکہ بظاہر اِس پر بھی خوش ہے کہ ٹرمپ بیچ میں پڑ کے کشمیر سمیت دیرینہ مسائل خوش اسلوبی سے طے کروانے کی بھی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی میں انڈیا ہمیشہ سے مرکزی عنصر رہا ہے۔ انڈیا کے حجم اور علاقائی تسلط کے خوف نے ابتدا سے ہی پاکستان کو امریکہ کا دامن پکڑنے پر مجبور کیا۔

مگر امریکہ نے دوطرفہ تنازعات کا کوئی پائیدار حل نکالنے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کے بجائے پاکستان کو 1950 کی دہائی میں سیٹو اور سینٹو کی لال بتی کے پیچھے لگا دیا۔ پاکستان کو اسلحے سے بھی لیس کیا مگر اس شرط پر کہ یہ اسلحہ صرف کمیونسٹ خطرے کے خلاف استعمال ہوگا۔

سنہ 1959 میں پاک، امریکہ دفاعی تعاون معاہدے میں بھی پاکستان کو اُن کمیونسٹ ممالک سے بچانے کا وعدہ کیا گیا جن میں سے کسی کے ساتھ بھی پاکستان کا کوئی جغرافیائی جھگڑا نہیں تھا۔

اکتوبر، نومبر 1962 میں انڈیا چین لڑائی کے موقع پر فیلڈ مارشل ایوب خان کو کچھ سیانوں نے مشورہ دیا کہ یہ سنہری موقع ہے مسئلہ کشمیر کو بزور حل کرنے کے لیے۔

مگر فیلڈ مارشل کو کینیڈی انتظامیہ کی اُس یقین دہانی پر زیادہ اعتماد تھا کہ اگر پاکستان اس لڑائی میں غیر جانبدار رہے تو بطور انعام کینیڈی انتظامیہ انڈیا اور پاکستان کے درمیان سنجیدگی سے ثالثی کرے گی۔

تب تک انڈیا امریکہ سے زیادہ برطانوی اسلحہ استعمال کرنے کا عادی تھا۔ جبکہ پاکستان کا دارومدار امریکی اسلحے پر تھا اور پاکستان کو یکطرفہ غلط فہمی بھی تھی کہ 1959 کا پاکستان امریکہ دفاعی معاہدہ وہ چھتری ہے جس کے تحت اگر پاکستان نے امریکہ کو سوویت یونین کی جاسوسی کے لیے پشاور ایئربیس فراہم کیا ہے تو امریکہ بھی وقت پڑنے پر کم از کم دفاعی امداد معطل نہیں کرے گا۔

مگر 1965 کی لڑائی میں امریکہ نے یہ کہہ کر اسلحے کی سپلائی روک دی کہ ہم نے اب تک جو دفاعی آلات دیے وہ انڈیا کے خلاف استعمال کرنے کے لیے نہیں تھے۔ چنانچہ 17 روز میں ہی جنگ رُک گئی۔

یہ بات اب تک معمہ ہے کہ جو کام پاکستان کو 1962 کی انڈیا چین جنگ کے دوران کرنا چاہیے تھا وہی کام تین برس بعد کس برتے پر کرنے کا سوچا گیا اور اس سے حاصل کیا ہوا؟

مگر پاکستان کی یہ آس پھر بھی نہ ٹوٹی کہ امریکہ ایک نہ ایک دن ضرور کشمیر کا مسئلہ حل کروائے گا۔ اسی امید پر 1970 میں یحییٰ خان نے چین امریکہ تعلقات کی بحالی میں بچولیے کا کردار بھی ادا کیا۔

مسئلہ کشمیر تو خیر کیا حل ہوتا الٹا پاکستان کے لگ بھگ ایک برس بعد دو ٹکڑے ہو گئے۔ امریکہ نے بس اتنی مہربانی کی کہ دورانِ جنگ علامتی طور پر ساتواں بحری بیڑہ خلیج بنگال میں چند دن کے لیے نمائش پر لگا دیا اور اندرا گاندھی سے کہا کہ اب جبکہ آپ نے ڈھاکہ لے لیا ہے تو مغربی پاکستان کے محاذ پر جنگ جاری رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔

نہ صرف ڈھاکہ ہاتھ سے گیا بلکہ جنگی قیدی چھڑوانے کی قیمت شملہ معاہدے کی اس شق کی صورت میں ادا کرنا پڑی کہ مسئلہ کشمیر سمیت تمام بنیادی تنازعات کسی تیسرے کو بیچ میں ڈالے بغیر پرامن انداز میں حل کیے جائیں گے۔ یعنی اقوامِ متحدہ کی کشمیر کی بابت بنیادی قراردادیں رہی سہی اہمیت بھی کھو بیٹھیں۔

حالانکہ یہ قراردادیں پاکستان کے مطالبے پر نہیں بلکہ انڈیا کی شکایت پر منظور ہوئی تھیں۔

مجھے یاد ہے جب صدر ذوالفقار علی بھٹو شملہ معاہدہ کرنے کے بعد لاہور ایئرپورٹ پر فاتحانہ اُترے تو انھوں نے اپنی جیکٹ طیارے کی سیڑھیوں سے ہی خیر مقدمی مجمع کی جانب اُچھال دی۔

ریاستی بیانیہ یہ تشکیل دیا گیا کہ بھٹو نے اندرا کو اپنی غیر معمولی سفارتکاری کے سحر میں لے کر سب کچھ لکھوا لیا۔ اِس بات کو 53 برس گزر گئے۔ مسائل حل کی سمت کیا بڑھتے الٹا چار قدم پیچھے چلے گئے۔

(آخری ناکام مسلح کوشش 1999 میں کارگل میں کی گئی اور وہ بھی تب جب دونوں کے پاس ایٹمی ہتھیار آ گئے تھے۔ تب بھی پاکستان کو جنگ بندی کے لیے امریکہ سے رجوع کرنا پڑا)۔

مگر ہر بار پاکستان کی امریکی تابعداری میں کمی کے بجائے اِضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ مارشل لا کو جائز دکھانے کے لیے ضیا الحق کو بین الاقوامی جیکٹ میں چاہیے تھی۔

امریکہ کو جنوبی اور مغربی ایشیا میں سوویت مخالف پالیسی کا بار اٹھانے کے لیے ایک آزمودہ قلی درکار تھا۔ جب آٹھ برس بعد سوویت فوجیں تمام تو بڑہ اٹھا کر افغانستان سے رخصت ہوئیں تو قلی کو بھی فارغ کر دیا گیا اور

جنگی باقیات کی صفائی کا کام بھی اس پر چھوڑ دیا گیا۔

12، 13 برس بعد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ایک بار پھر امریکہ نے پاکستان کو اپنا بوجھ اٹھانے پر اگلے 20 برس کے لیے آمادہ کر لیا۔ اس دوران پاکستان کو رسدی خدمات کے عوض طے شدہ دیہاڑی ملتی رہی جبکہ انڈیا اور امریکہ میں وہ سٹریٹیجک ساجھے داری شروع ہوئی جو ہمیشہ سے امریکہ کا خواب تھی۔

امریکی سرمایہ کاری، سول نیوکلیئر تعاون، چین کو گھیرنے کے لیے علاقائی الائنس سسٹم، اسلحے کے سودے، امریکہ نواز خلیجی ممالک سے انڈیا کی سرمایہ کارانہ وسفارتی قربت اور نتیجے میں تیز رفتار اقتصادی ترقی۔

اس کے برعکس پاکستان کو آئی ایم ایف اور خلیجی ممالک کے رول اوور قرضے اور دودھ دینے والے اداروں میں تھوڑی بہت عرب سرمایہ کاری ہی مل سکی۔

چین پچھلے 65 برس سے پاکستان کے ساتھ ہے۔ اس نے بقول پاکستانی اسٹیبلشمنٹ سی پیک جیسا 'گیم چینجر' دیا۔

چین نے اگرچہ تازہ ترین تنازع میں بھی پاکستان کا بھرپور ساتھ دیا مگر اشرافیہ کو آج یہ سوچ سوچ کر زیادہ خوشی ہے کہ انکل ٹرمپ نے پاکستان انڈیا تنازعات اپنی نگرانی میں طے کروانے کا جو وچن دیا ہے شاید اس بار پورا ہو جائے۔

ثالثی کے شوقین ٹرمپ نے یوکرین اور روس کے درمیان بھی پڑنے کی کوشش کی اور مسئلے کا یہ حل تجویز کیا کہ اگر یوکرین اپنا 20 فیصد علاقہ روس کو دے دے تو یوکرین کے پاس پھر بھی بہت سی زمین رہے گی۔

امریکہ امن قائم کروانے کے عوض یوکرین کی معدنی دولت کا صرف 50 فیصد منافع بطور کنسلٹنسی فیس چارج کرے گا۔ یوکرین مرتا کیا نہ کرتا ان شرائط پر راضی تو ہو گیا مگر جنگ اب بھی جاری ہے اور ولادیمیر پوتن ٹرمپ سے اعصابی جنگ کے مسلسل مزے لے رہے ہیں۔

چنانچہ اب ٹرمپ صاحب بھی پوتن کو 'میرا دوست' کہنے کے بجائے کھری کھری سنا رہے ہیں۔ زیلنسکی کے ہاتھ امن بھی نہ آیا اور جو پلے ہے وہ بھی جا رہا ہے۔

ٹرمپ نے غزہ میں بھی جنگ بندی کروانے کے لیے مسئلے کا یہ حل پیش کیا کہ غزہ فلسطینیوں سے خالی ہو جائے تو نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ اسرائیل اس خواہش کی پوری طرح عسکری تعمیل کر رہا ہے۔

ٹرمپ کی جیب عربوں کے ٹریلین ڈالرز تجارتی وعدوں سے تقریباً پھٹ رہی ہے اور فلسطینیوں کے دیگر خیر خواہ ہاتھ مل رہے ہیں۔

اگر ٹرمپ واقعی کشمیر کے معاملے میں ثالثی پر سنجیدہ ہیں اور فرض کریں انڈیا بھی کسی نہ کسی طرح میز پر آ جاتا ہے اور ٹرمپ دونوں کا مقدمہ سن کے فیصلہ دیتے ہیں کہ اب تک جتنا کشمیر جس کے قبضے میں ہے اسے تسلیم کر لو یا گلگت بلتستان پاکستان رکھ لے کیونکہ وہاں سے شاہراہ ریشم گزرتی ہے اور باقی کشمیر انڈیا کو دے دیا جائے یا پورے کشمیر کو ایک غیر مسلح خودمختار ریاست بنا دیا جائے یا 25 برس کے لیے کشمیر امریکہ کو پٹے پر دے دو اور اس دوران آپس میں کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ تو بتا دینا۔

کیا انڈیا یا پاکستان ان ممکنہ فارمولوں میں سے کوئی ایک تسلیم کر پائیں گے۔ مسترد کرنے کی صورت میں ٹرمپ کا غصہ جھیل لیں گے؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ٹرمپ کی دوستی یا دشمنی ریچھ کے جپھے جیسی ہے۔

لہٰذا ثالثی کا سوچ سوچ کر خوش ضرور ہوتے رہیں مگر زیادہ سنجیدہ ہونے کی صورت میں ٹرمپ کا کچھ جائے نہ جائے آپ کا بہت کچھ جا سکتا ہے۔








پاکستان اور انڈیا کی عسکری قیادت نے چار روز کی لڑائی سے کیا سیکھا؟

خطے کے دیگر ممالک کی طرح پاکستان اور انڈیا کے اعلیٰ عسکری حکام بھی سنگاپور میں شنگریلا ڈائیلاگ کا حصہ بنے اور دونوں نے گذشتہ ماہ کی لڑائی سمیت متعدد امور پر اظہار خیال کیا۔

شنگریلا ڈائیلاگ ایک اہم سکیورٹی کانفرنس ہے جس میں خطے کے کئی وزرائے دفاع اور اعلیٰ فوجی حکام جمع ہوتے ہیں اور وہ اپنے اپنے ملک کا موقف بھی پیش کرتے ہیں۔ ان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ خطے کو تنازعات سے باہر نکالنے کے لیے اپنی اپنی سفارشات دیں۔

اس بار اس کانفرنس کے دوران بلومبرگ اور روئٹرز کو دیے انٹرویوز میں انڈین چیف آف ڈیفنس سٹاف انیل چوہان کا طیارے گرائے جانے سے متعلق بیان انڈیا اور پاکستان میں بحث کا موضوع بنا ہے۔ جبکہ چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی جنرل ساحر شمشاد مرزا بھی اس تقریب کا حصہ بنے ہیں جس دوران انھوں نے دونوں ممالک کے بیچ 'کرائسس مینجمنٹ' پر زور دیا ہے۔

دریں اثنا دونوں ملکوں کے عسکری حکام نے اس حوالے سے بھی تبصرہ کیا ہے کہ اس چار روزہ لڑائی سے کیا سیکھا گیا اور آیا مستقبل میں دونوں ممالک کے درمیان تنازع کسی بڑی جنگ کی جانب بڑھ سکتا ہے۔

جنرل انیل چوہان اور جنرل ساحر شمشاد مرزا نے کیا کہا؟

انڈیا کے لیفٹیننٹ جنرل انیل چوہان کے روئٹرز کو دیے انٹرویو پر نظر دوڑائی جائے تو وہ پرامید نظر آتے ہیں کہ دونوں ممالک کی عسکری قیادت میں خاص طور پر یہ سمجھداری پائی جاتی ہے کہ وہ روایتی جنگ سے آگے کسی تنازع کو نہ لے جائیں۔

اگرچہ انھوں نے تسلیم کیا کہ انڈیا کو فضائی نقصانات ہوئے تاہم ان کا کہنا تھا کہ انڈیا کے پاکستان میں فضائی حملے مہارت کے ساتھ کیے گئے۔

جنرل انیل چوہان نے کہا کہ انڈین حکومت نے یہ واضح کیا ہے کہ 'اگر پاکستان سے دہشتگردی ہوگی تو پھر انڈیا اس کا جواب دے گا۔'

تاہم انیل چوہان نے کہا کہ 'آپریشن سندور' شروع ہونے کے بعد سے 'دونوں فریقین (پاکستان اور انڈیا) کی جانب سے دانشمندی کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔'

انھوں نے یہ موقف دیا کہ ایٹمی تصادم کی حد عبور ہونے سے قبل



روایتی آپریشنز کی کافی گنجائش پیدا ہوئی ہے جو کہ 'نئی روایت ہے۔'

جنرل چوہان نے روئٹرز کو اپنی ذاتی رائے دیتے ہوئے کہا کہ 'جب لڑائی ہوتی ہے تو سب سے زیادہ سمجھ بوجھ باوردی لوگوں میں ہوتی ہے۔

'اس آپریشن کے دوران دونوں فریقین نے اپنی سوچ اور اقدامات میں سمجھداری کا مظاہرہ کیا۔ ہم کیوں یہ فرض کر لیں کہ ایٹمی ڈومین میں کسی دوسرے کی طرف سے کم عقلی دکھائی جائے گی۔'

دوسری طرف پاکستان کے چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی جنرل ساحر شمشاد مرزا نے کانفرنس کے دوران روئٹرز کو دیے انٹرویو میں بتایا کہ پاکستان اور انڈیا کے درمیان تناؤ کم کرنے کے لیے کوئی بیک چینل بات چیت نہیں ہو رہی۔

انھوں نے بتایا کہ ان کا سنگاپور میں شنگریلا ڈائیلاگ کے دوران جنرل انیل چوہان سے ملاقات کا کوئی منصوبہ نہیں۔

جنرل ساحر شمشاد نے جنوبی ایشیا میں ایٹمی تصادم کے خطرے سے خبردار کرتے ہوئے روئٹرز کو بتایا تھا کہ یہاں 'ایسے تنازعات موجود ہیں جو کسی بھی وقت بے قابو ہو سکتے ہیں۔'

اس کے بعد شنگریلا ڈائیلاگ سے اپنے خطاب میں جنرل ساحر شمشاد نے کہا کہ پہلگام حملے کے بعد پاکستان اور انڈیا کے درمیان کشیدگی خطے کی ترقی کو خطرے میں ڈال رہی ہے اور ایسے اقدامات کی ضرورت ہے جو کشیدگی کے خطرات میں کسی بھی ابہام کو ختم کر سکیں۔

جنرل ساحر شمشاد مرزا نے سٹریٹیجک سمجھ بوجھ بڑھانے پر زور دیا اور کہا کہ 'پائیدار کرائسس مینجمنٹ کے لیے باہمی برداشت، ریڈ لائن کی پاسداری اور مساوات کی ضرورت ہوتی ہے، عدم اعتماد کی فضا میں کوئی میکنزم کام نہیں کرتا۔'

وہ کہتے ہیں کہ 'ایڈہاک رسپانسز ناکافی ہیں، ہمیں ادارہ جاتی

پروٹوکول اور ہاٹ لائنز کی ضرورت ہے، کشیدگی میں کمی کے طے شدہ طریقہ کار اور مشترکہ کرائسس مینجمنٹ مشقوں کی ضرورت ہے۔'

'اختلافات کے پُرامن حل ہونے چاہییں، سٹریٹجک کمیونیکیشن اہم ہے۔ غلط فہمیاں، غلط معلومات کشیدگی کو ہوا دیتی ہیں۔'

انھوں نے کہا کہ پاکستان انڈیا کے ساتھ برابری کی سطح پر تمام مسائل کے حل کے لیے بات چیت کرنے کو تیار ہیں۔







دونوں ملکوں میں عسکری قیادت کیا سوچ رہی ہے؟

سنگاپور میں جنرل انیل چوہان اور جنرل ساحر شمشاد مرزا کے بیانات انڈیا اور پاکستان میں توجہ حاصل کر رہے ہیں اور انھیں مستقبل میں پاکستان اور انڈیا کے درمیان تعلقات کے تناظر میں اہم سمجھا جا رہا ہے۔

سینیٹ کی قائمہ کمیٹی برائے دفاعی پیداوار کے سابق چیئرمین



لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ عبدالقیوم خان نے بی بی سی کو بتایا کہ پاکستان کا موقف یہی ہے کہ جنگوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، مذاکرات کی طرف آئیں اور فوج کے درمیان ہی نہیں بلکہ وزارت خارجہ میں بھی ہاٹ لائن قائم کی جانی چاہیے۔

اگرچہ انڈین چیف آف ڈیفنس سٹاف (سی ڈی ایس) جنرل انیل چوہان نے ایٹمی تصادم کے خطرے کے امکان کو مسترد کیا تاہم پاکستان میں اس حوالے سے تحفظات پائے جاتے ہیں۔

ڈیفنس کمیٹی کے سابق رکن لیفٹیننٹ جنرل عبدالقیوم کے مطابق حریف کی دو چیزوں پر نظر رکھی جاتی ہے: صلاحیت اور ارادے۔

ان کے مطابق تنازع کا تعلق سیاسی فیصلوں پر ہوتا ہے جبکہ اس وقت انڈیا میں وزیراعظم مودی ایک ایسے حکمران ہیں کہ جن کے 'آپریشن سندور' کے بعد بھی دیے گئے بیانات، عزائم اور ارادے بالکل واضح ہیں اور اسی وجہ سے جنرل ساحر شمشاد مرزا نے شنگریلا میں ایٹمی تصادم کے خطرے کی گھنٹی بجائی ہے۔

جنرل انیل چوہان کے انٹرویو پر انڈیا میں ردِعمل: 'بلومبرگ ٹی وی پر نقصانات کا اعتراف کر سکتے ہیں تو اپنے ملک میں خاموشی کیوں؟'

مستقبل میں کیا کوئی تنازع بڑی جنگ کی صورت اختیار کر سکتا ہے، اس سوال پر ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل عبدالقیوم نے کہا کہ اس کا انحصار 'انڈین جارحیت پر ہے۔'

وہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'اگر انڈیا نے پاکستان کے کچھ حصے پر قبضے کی کوشش کی یا سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کے حصے کا پانی لینے کی کوشش کی تو پھر یہ خطے کے لیے بہت خطرے کی بات ہوگی۔'

ان کی رائے ہے کہ صرف ڈی جی ایم اوز کے ہیٹ لائن رابطے سے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ 'انڈیا کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ امن کا راستہ جنگ نہیں بلکہ مذاکرات کا راستہ ہے۔'

سی ڈی ایس جنرل انیل چوہان کے انٹرویوز پر جہاں انڈیا میں غم و غصہ پایا جاتا ہے اور انڈیا کی اپوزیشن جماعت کانگریس نے فوجی تیاریوں پر نظرثانی کا بھی مطالبہ کیا ہے وہیں بعض حلقوں میں انھیں حمایت بھی حاصل ہوئی ہے۔

دفاعی ماہر سی اُدے بھاسکر نے بی بی سی ہندی کو بتایا کہ سی ڈی ایس نے ٹھیک جواب دیے ہیں کیونکہ انڈیا کے لیے 'یہ نقصان سے زیادہ سٹریٹجک نقصان تھا۔۔۔ ہم نے (اس لڑائی میں) ان غلطیوں اور کوتاہیوں پر قابو پایا جس کی وجہ سے نقصان ہوا تھا۔'

وہ مزید کہتے ہیں کہ 'سی ڈی ایس نے اسے صحیح تناظر میں رکھا ہے۔ یہ اس لیے بھی اہم ہے کیونکہ وہ یہ بات سنگاپور میں کہہ رہے ہیں۔ شنگریلا ڈائیلاگ ایک بہت اہم کانفرنس ہے جس میں خطے کے تمام وزرائے دفاع اور اعلیٰ فوجی حکام کو اکٹھا کیا گیا ہے۔'

ایکس پر ایک پیغام میں امریکہ میں سابق پاکستانی سفیر حسین حقانی نے کہا کہ جنرل انیل چوہان نے 'ایک فوجی کی حیثیت سے' نقصان کو قبول کیا۔

حسین حقانی کی اس پوسٹ پر ردعمل دیتے ہوئے انڈیا کے سابق سیکریٹری خارجہ کنول سبل نے کہا کہ عالمی میڈیا اور خارجہ پالیسی برادری پاکستانی مزاحمت اور کامیابی کا بیانیہ بنانے میں مصروف ہے۔

کنول سبل نے لکھا کہ 'کیا پاکستان نے اپنے ایئربیسز پر انڈین فضائیہ کے نقصانات کو قبول کیا، جس کے انڈیا نے ثبوت بھی فراہم کیے؟ کیا پاکستان کے فیلڈ مارشل فوجی نہیں ہیں؟ کیا انھیں بطور فوجی نقصانات کو قبول نہیں کرنا چاہیے؟'

انھوں نے کہا کہ 'عالمی میڈیا اور خارجہ پالیسی کی کمیونٹی صرف انڈیا کو ہونے والے نقصانات پر ہی کیوں توجہ مرکوز کر رہی ہے؟ سارا معاملہ انڈیا کی کامیابی کی حد کو کم کرنے اور پاکستانی مزاحمت اور کامیابی کا بیانیہ بنانے کا ہے۔'

تجزیہ کار سوشانت سنگھ نے ایکس پر لکھا کہ 'پہلی رات انڈین ایئر فورس کے طیارے گرنا مسئلہ نہیں تھا۔ فضائیہ نے اس کے بعد خود کو ڈھال لیا تھا، جیسا کہ سی ڈی ایس نے وضاحت کی۔۔۔ اصل مسئلہ لڑائی میں نقصانات کو سیاسی کوور دینا ہے۔'

'دانشمندی کا مظاہرہ جنگ شروع ہونے سے پہلے کرنا ہوگا'

پاکستان کے قومی سلامتی کے سابق مشیر لیفٹیننٹ جنرل ناصر جنجوعہ نے بی بی سی اردو کو بتایا کہ دونوں ممالک میں جب تک تنازعات حل نہیں کیے جاتے تو اس وقت تک پرامن مستقبل کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی ہے۔



شنگریلا ڈائیلاگ میں انڈیا اور پاکستان کے عسکری حکام کے مؤقف کا تجزیہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ جو دانشمندی ہے اس کا مظاہرہ جنگ شروع کرنے سے پہلے کرنا ہوتا ہے اور دوران جنگ یہ سب غیر یقینی ہو جاتا ہے اور اس کی بھی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔

ان کا کہنا تھا کہ 'جب پاکستان ایٹمی طاقت بنا تو ہم نے یہ کہا کہ اب جنگ نہیں ہو سکتی مگر انڈیا نے کہا کہ نہیں ہم لمیٹڈ وار کر سکتے ہیں اور پھر مختلف تھریشولڈ کی تھیوریز سامنے آئیں کہ اتنے رقبے پر قبضہ اور اتنے معاشی نقصان کی صورت میں محدود جنگ ہوگی۔'

ان کی رائے میں دونوں ممالک میں حالیہ تنازع میں 'اگر انڈیا پیچھے نہ ہٹتا تو پھر یہ صورتحال قابو سے باہر نکل سکتی تھی کیونکہ پاکستان سمجھتا ہے کہ جارحیت کے جواب میں کوئی تھریشولڈ نہیں ہوتا۔'

تاہم ان کے مطابق دونوں ممالک ایٹمی طاقت ہیں اور ان کے درمیان تنازع بڑھنے کا مطلب ایک تباہ کن نیوکلیئر ہولوکاسٹ کی صورت میں سامنے آئے گا جو نہ خطے اور نہ دنیا کے لیے اچھا ہے۔



اس سادگی پہ کون نہ مرجائے

لانڈھی جیل میں قیدیوں کا زلزلہ

جیل ٹوٹنے کی اصل کہانی !!

تحریر: سمیر قریشی

جون کی 2 تاریخ تھی کہ لانڈھی میں مسلسل زلزلے کے جھٹکے آرہے تھے کہ اسی دوران کراچی کی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ پیش آتا ہے جب ملیر جیل بریک ہوتی ہے اور 216 قیدی جیل توڑ کر فرار ہوجاتے ہیں ،فائرنگ کا سلسلہ بھی شروع ہوتا ہے رینجرز اور پولیس بھی موقع پر پہنچتی ہے اور کئی قیدیوں کو پہلی ہی رات دوبارہ ہی گرفتار بھی کرلیا جاتا ہے اسی دوران ایک قیدی ہلاک اور پولیس اور ایف سی کے اہلکار زخمی بھی ہوتے ہیں ،اس کے بعد دوسرے روز جیل میں اعلیٰ حکام کے معائنوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے سیکریٹری داخلہ ،آئی جی سندھ ،آئی جی جیل خانہ جات سمیت اعلیٰ حکام نے جیل کے دورے کیے ،بعدازاں وزیر جیل خانہ جات علی حسن زرداری نے بھی جیل کا دورہ کیا اور انہوں نے حیرت انگیز انکشاف کیا کہ ملیر ڈسٹرکٹ جیل میں کیمرے نصب نہیں ہیں اور ان سے جھوٹ بولا گیا تھا کہ اس جیل میں کیمرے نصب ہیں، کمال کی بات یہ ہے موصوف وزیر جیل خانہ جات کو اپنے عہدے کو سنبھالے ہوئے کافی عرصہ گذر چکا ہے اور ان کو یہ ہی نہیں پتہ کہ ملیر جیل میں کیمرے نصب ہیں یا نہیں جبکہ انہوں نے متعدد بار سرپرائز وزٹ بھی کیے تھے تو صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس سادگی پہ کون نہ مرجائے ،اس وقت سندھ کی جیلوں کی صورتحال یہ ہے کہ سندھ میں 18 جیلیں ہیں جن میں کراچی سینٹرل جیل ، سکھر جیل ون ،سکھر جیل ٹو ،حیدرآباد جیل ون ،حیدرآباد جیل ٹو ،میر پور خاص ،نوشہرو فیروز ،لاڑکانہ ،شکارپور سمیت دیگر شامل ہیں اور ان میں سے صرف تین جیلوں میں کیمرے نصب ہیں ان میں کراچی سینٹرل جیل ،سکھر جیل ون اور حیدرآباد جیل ون شامل ہیں ،ان 18 جیلوں میں 25 ہزار سے زائد قیدی ہیں اور ان کی حفاظت پر صرف 5 ہزار افسران واہلکار شامل ہیں ،ملیر جیل بریک ہونے کے بعد آئی جی جیل خانہ جات قاضی نذیر کو ہٹایا گیا ،ڈی آئی جی حسن سہتو اور سپرنٹنڈنٹ ملیر جیل ارشد شاہ سمیت 23 افسران واہلکاروں کو معطل کیا گیا ،ماضی میں سندھ پولیس سے آئی جی جیل اور ڈی آئی جی جیل تبادلہ کر کے لگائے جاتے تھے پھر گڑبڑ گھوٹالہ ہوا اور جیل کے افسران ہی ان سیٹوں پر تعینات ہوتے رہے اور پولیس کا داخلہ ہی بند ہوگیا لیکن اب ایک بار پھر پولیس کا داخلہ شروع ہوگیا ہے اور سندھ حکومت نے سندھ پولیس کے پی ایس پی افسر ڈی آئی جی فدا حسین مستوئی کو آئی جی جیل تعینات کردیا ہے جو کہ ایک اچھی شہرت کے حامل افسر ہیں لیکن ان کی تعیناتی تو ہوگئی ہے اب ان کو بڑے چیلینجز کا سامنا کرنا پڑے گا ،جس میں نفری کی کمی ،جیلوں میں سی سی ٹی وی کیمروں کی تنصیب اور سب سے بڑی بات ان جیلوں میں قانون کی عملداری قائم کرنا ہے ،سب یہ بات جانتے ہیں کہ غریب قیدی اندر کن حالوں میں ہوتا ہے اور امیر ،اشرافیہ اور سیاسی قیدیوں کو کس طرح سے وی وی آئی پی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں جیل کے ایک ذرائع کے مطابق سندھ کی دیگر جیلوں میں سی سی ٹی وی اس وجہ سے نصب نہیں کیے جاتے کہ ماہانہ کروڑوں روپے کا لین دین مہینہ طور پر ہوتا ہے جو کہ نیچے سے اوپر تک مہینہ طور پر تقسیم ہوتا ہے ، یہ محض اقربا پروری کی داستان نہیں بلکہ سنگین ادارہ جاتی بحران ہے جس سے معاشرے میں بے یقینی اور بے حسی جنم لیتی ہے ،اب دیکھنا یہ ہے کہ آئی جی جیل فدا مستوئی کس طرح سے ان چیلینجز سے نمٹتے ہیں یا پھر چل تو سب رہا ہے اور چلتا بھی رہے گا۔





17 سالہ ٹک ٹاکر ثنا یوسف کے قتل کا ملزم 14 روزہ ریمانڈ پر اڈیالہ جیل منتقل

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کی مقامی عدالت نے 17 برس کی ٹک ٹاکر ثنا یوسف کے قتل کے ملزم کی شناخت پریڈ کی درخواست منظور کرتے ہوئے انھیں اڈیالہ جیل منتقل کرنے کے احکامات جاری کر دیے ہیں۔

ٹک ٹاکر ثنا یوسف قتل کیس کے ملزم کو بدھ کی صبح ڈیوٹی مجسٹریٹ احمد شہزاد کی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں پولیس کی جانب سے ملزم کی شناخت پریڈ کی استدعا کی گئی جسے منظور کرتے ہوئے عدالت نے ملزم کو 14 روزہ ریمانڈ پر جیل منتقل کرنے کا حکم دے دیا۔

جوڈیشل مجسٹریٹ احمد شہزاد گوندل کی جانب سے جاری کردہ حکم نامے میں سپرنٹنڈنٹ اڈیالہ جیل کو ہدایت کی گئی ہے کہ جیل میں ملزم کو کسی سے ملاقات کی اجازت نہ دی جائے اور ملزم کی شناخت پریڈ کے تمام ضروری انتظامات کیے جائیں۔

حکم نامے میں کہا گیا ہے کہ 'ملزم کو عدالت میں منہ پر کپڑا ڈال کر پیش کیا گیا، جو ریکارڈ کے مطابق ایک ظالمانہ قتل کے مقدمے میں نامزد ہے۔'

واضح رہے کہ آئی جی اسلام آباد سید علی ناصر رضوی نے گزشتہ روز سوشل میڈیا ٹک ٹاکر ثنا یوسف کے قتل کے ملزم کی گرفتاری کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ملزم کو فیصل آباد سے گرفتار کر کے اس سے ثنا یوسف کا موبائل بھی برآمد کر لیا ہے۔

یاد رہے کہ ثنا یوسف کو اسلام آباد میں ان کے گھر کے اندر قتل کیا گیا تھا جہاں وہ اپنے اہلخانہ کے ساتھ رہائش پذیر تھیں۔

ثنا یوسف کے قتل کا مقدمہ ان کی والدہ کی مدعیت میں درج کیا گیا تھا۔ اسلام آباد کے تھانہ سمبل میں درج ایف آئی آر میں بتایا گیا تھا کہ 'گذشتہ روز ایک شخص اچانک ہمارے گھر میں داخل ہوا اور اس نے میری بیٹی ثنا یوسف پر سیدھے فائر کیے جن میں سے دو ان کے سینے پر لگے۔'

ثنا یوسف کے قتل کی پیشرفت سے آگاہ کرتے ہوئے منگل کو آئی جی اسلام آباد سید علی ناصر رضوی نے ڈی آئی جی اور ایس ایس پیز کے ہمراہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا تھا کہ ابتدائی تفتیش کے مطابق ملزم نے ثنا یوسف کی جانب سے خود کو بار بار مسترد کیے جانے پر اسے قتل کیا۔

یہ کیس ریجیکٹڈ ریجکشن کا تھا۔ ملزم نے ثنا یوسف کو اس لیے قتل کیا کہ وہ بار بار ثنا سے رابطہ کر رہا تھا اور وہ اس کو منع کر رہی تھی۔ وہ گذشتہ کئی دنوں سے ثنا یوسف سے سوشل میڈیا کے ذریعے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اور دو جون کو بھی اس نے ثنا یوسف کے گھر آ کر سات آٹھ گھنٹے انتظار کیا اور جب ثنا نے اس دن بھی اس سے ملنے سے انکار کیا تو اس نے پلاننگ کی اور اس واردات کو انجام دیا۔'

ان کے مطابق دو جون کو ملزم نے شام پانچ بجے ثنا یوسف کے گھر میں گھس کر انھیں دو گولیاں ماریں۔

سید ناصر رضوی کا کہنا تھا کہ یہ اندھے قتل کا کیس پولیس کے لیے ایک چیلنج تھا اور اسلام آباد پولیس نے ملزم کو سی سی ٹی وی اور جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے گرفتار کیا گیا۔

ان کا کہنا تھا کہ 'ثنا یوسف کے قتل سے اسلام آباد سمیت پورے پاکستان میں تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی اور ایسے میں کسی بیٹی کا یوں قتل ہو جانا ہمارے لیے بہت بڑا چیلنج تھا۔'

آئی جی اسلام آباد کا کہنا تھا کہ 'ملزم کی تلاش اور شناخت کرنا بہت ضروری تھا کیونکہ 17 سالہ نوجوان ٹک ٹاکر کی آواز کو آخر کیوں خاموش کروایا گیا؟'

ان کا کہنا تھا کہ پولیس نے نامعلوم ملزم کی تلاش کے لیے فوری طور پر سات ٹیمیں تشکیل دی جنھوں نے ملزم کو پکڑنے کے لیے سیلولر ٹیکنالوجی اور ڈیجیٹل سروِیلنس پر کام کیا۔

انھوں نے بتایا کہ پولیس ٹیموں نے ملزم کی گرفتاری کے لیے متعدد چھاپے مارے اور 113 کیمروں کی فوٹیجز چیک کی گئیں جبکہ دوران تفتیش 300 سے زائد کالز کی تفصیلات کا جائزہ لیا گیا۔

ان کا کہنا تھا کہ اس کے ساتھ ساتھ سوشل میڈیا کا بھی باریک بینی سے تجزیہ کیا گیا اور سوشل میڈیا کے ذریعے ہم 37 افراد تک پہنچے۔

آئی جی اسلام آباد ناصر رضوی نے بتایا کہ نوجوان ٹک ٹاکر کے آئی فون کو ملزم کی جانب سے غائب کر دیا گیا تھا۔ ان کے مطابق ملزم مقتولہ ثنا یوسف کا موبائل فون اس لیے لے گیا تا کہ تمام ریکارڈ مٹایا جا سکے۔

انھوں نے بتایا کہ ملزم میٹرک پاس ہے اور اس کے والد گریڈ 16 میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

آئی جی اسلام آباد کے مطابق ملزم کی گرفتاری کے لیے ڈی آئی جی جواد کی سربراہی میں قائم پولیس ٹیم نے 11 چھاپہ مار کارروائیاں کی جبکہ فیصل آباد میں تین چھاپوں اور جڑانوالہ میں دو چھاپے مارے گئے اور 22 سالہ ملزم کو گرفتار کیا گیا۔

اس سے قبل اس مقدمے کی تفتیشی ٹیم میں شامل سب انسپکٹر منصب دار نے بتایا ہے کہ مقتولہ کے کال ریکارڈز کی جانچ کے بعد معلوم ہوا کہ قتل سے قبل دونوں کے درمیان ٹیلی فون پر رابطہ ہوا تھا۔

منصب دار نے دعویٰ کیا کہ 'انھوں نے ثنا یوسف کے زیر استعمال فون میں آنے والی کالز کا جائزہ لیا تو ایک نمبر کی پروفائل پر موجود تصویر اس شخص سے ملتی تھی، جس کے بارے میں پولیس کو اہلخانہ نے بتایا تھا کہ اس شکل و صورت کا شخص گھر میں داخل ہوا تھا۔'

خیال رہے کہ پیر کی شام ثنا یوسف کو مبینہ طور پر ان کے گھر میں ایک نامعلوم شخص نے گولی مار کر قتل کر دیا تھا۔

منصب دار نے دعویٰ کیا کہ ملزم کی موبائل لوکیشن کو ٹریس کرتے ہوئے اسے فیصل آباد سے گرفتار کیا گیا۔

وفاقی وزیر داخلہ محسن نقوی کی جانب سے ایکس پر ایک پوسٹ میں ملزم کی گرفتاری پر پولیس کی تعریف کی گئی۔

انھوں نے دعویٰ کیا کہ 'پولیس نے ملزم سے پستول اور لڑکی (ثنا یوسف) کا موبائل برآمد کر لیا اور ملزم نے اعتراف جرم کر لیا۔'

ایف آئی آر میں درج تفصیلات کیا ہیں؟

ثنا یوسف کو گذشتہ روز اسلام آباد میں ان کے گھر کے اندر قتل کیا گیا جہاں وہ اپنے اہلخانہ کے ساتھ رہائش پذیر تھیں۔

ثنا یوسف کے قتل کا مقدمہ ان کی والدہ کی مدعیت میں درج کیا گیا۔ اسلام آباد کے تھانہ سمبل میں درج ایف آئی آر میں بتایا گیا کہ 'گذشتہ روز ایک شخص اچانک ہمارے گھر میں داخل ہوا اور اس نے میری بیٹی ثنا یوسف پر سیدھے فائر کیے جن میں سے دو ان کے سینے پر لگے۔'

ایف آئی آر کے مطابق 'نامعلوم شخص سیڑھیاں اتر کر بھاگ گیا اور ہمارے شور کرنے پر اہلِ محلہ جمع ہو گئے۔ میں اپنی بیٹی کو ہمسایوں کی گاڑی میں ڈال کر ہسپتال لے گئی لیکن میری بیٹی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے فوت ہو چکی تھی۔'

مقتولہ کی والدہ کی جانب سے درج ایف آئی آر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس واقعے کے وقت ان کے شوہر گھر پر موجود نہیں تھے بلکہ صرف وہ خود، ان کی نند اور ان کی بیٹی ثنا یوسف گھر پر تھیں۔

بی بی سی نے اس واقعے سے متعلق مقتولہ کے والدین سے رابطہ کر کے ان کا مؤقف جاننے کی کوشش کی لیکن تاحال جواب موصول نہیں ہوا۔

اس مقدمے کی تفتیشی ٹیم میں شامل سب انسپکٹر منصب دار نے بی بی سی کو بتایا ہے کہ پاکستان انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز (پمز) سے مقتولہ کی لاش کا پوسٹ مارٹم کروانے کے بعد لاش ورثا کے حوالے کر دی گئی اور ورثا لاش لے کر چترال چلے گئے ہیں۔

خیال رہے کہ یہ پاکستان میں کسی خاتون ٹک ٹاکر کے قتل کا پہلا واقعہ نہیں ہے، گذشتہ ماہ کے اواخر میں ٹک ٹاکر اقرا اعظم کو پنجاب کے ضلع خوشاب میں پولیس کے مطابق مبینہ طور پر ان کے اپنے رشتہ دار نے قتل کر دیا گیا تھا۔

'ملزم گھر میں داخل ہو کر سیدھا ثنا یوسف کے کمرے میں گیا'

ثنا یوسف کے قتل کے مقدمے کی تفتیشی ٹیم میں شامل سب انسپکٹر منصب دار نے بی بی سی کو بتایا کہ 'جس جگہ پر وقوعہ پیش آیا، پولیس نے وہاں لگے سی سی ٹی وی کیمرے کی فوٹیج بھی حاصل کر لی ہیں جبکہ اس کے علاوہ سیف سٹی کیمروں سے بھی اس وقوعہ سے متعلق فوٹیج حاصل کی گئی ہیں۔

پولیس اہلکار نے دعویٰ کیا ہے کہ اس واقعہ میں ملوث ملزم کے بارے میں بہت سارے شواہد حاصل کر لیے گئے ہیں اور جلد ہی ملزم کو گرفتار کر لیا جائے گا۔

انھوں نے کہا کہ دستیاب شہادتوں کے علاوہ پولیس قتل کے اس واقعہ کے مختلف پہلوؤں پر تفتیش کر رہی ہے۔

تفتیشی ٹیم میں شامل پولیس اہلکار کا کہنا تھا کہ ابتدائی تفتیش میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ ملزم نے ثنا یوسف کو قتل کرنے سے پہلے جس گھر میں مقتولہ رہائش پذیر تھیں وہاں کی ریکی کی اور جب یہ دیکھا کہ ثنا کے والدین گھر پر نہیں تو وہ گھر میں داخل ہوا اور پستول نکال کر ثنا یوسف پر دو فائر کیے۔

تفتیشی ٹیم میں شامل ایک اور اہلکار کا کہنا تھا کہ ملزم گھر میں داخل ہو کر سیدھا ثنا یوسف کے کمرے میں گیا اور جاتے ہی اس پر فائرنگ شروع کر دی۔

پولیس اہلکار کے مطابق ثنا یوسف جب فائر لگنے سے نیچے گر گئیں تو اس کے فوری بعد ملزم جائے وقوعہ سے فرار ہو گیا۔

ثنا یوسف کون تھیں؟

ثنا یوسف کی عمر صرف 17 برس تھی۔ ان کا تعلق صوبہ خیبر پختونخوا کے ضلع چترال سے تھا لیکن ان کا خاندان کچھ عرصے سے اسلام آباد میں مقیم تھا۔

پیر کے روز ثنا یوسف کے انسٹاگرام اکاؤنٹ پر ان کی سالگرہ کی ایک ویڈیو بھی شیئر کی گئی تھی، جس میں انھیں اپنے دوستوں کے ساتھ سالگرہ مناتے دیکھا جا سکتا ہے۔

ان کی زیادہ تر ویڈیوز میں وہ اپنی دوستوں کے ساتھ اسلام آباد کے مختلف مقامات پر گھومتی اور کھانے سے لطف اندوز ہوتی نظر آتی ہیں۔

اس مقدمے کے تفتیشی افسر کے مطابق مقتولہ کے والدین اور اس کے رشتہ داروں کا کہنا تھا کہ ثنا یوسف کو سوشل میڈیا انفلوئنسر ہونے کی وجہ سے کبھی بھی ان کے رشتہ داروں یا کسی دوسرے فرد کی طرف سے کوئی دھمکیاں موصول نہیں ہوئی تھیں۔

صحافی محمد زبیر نے ثنا یوسف کی دوستوں سے بات کی ہے۔ ان کے والد کافی عرصہ تک سرکاری ملازمت میں رہے، جس کے بعد انھوں نے ریٹائرمنٹ لے لی۔ ثنا یوسف کا ایک چھوٹا بھائی ہے۔

ثنا یوسف کی ایک دوست نے بتایا کہ جس روز وہ قتل ہوئیں اس سے چند گھنٹے قبل انھوں نے اپنی سالگرہ کا دن منایا تھا۔

'اس نے اپنے کچھ انتہائی قریبی دوستوں کو دعوت دی تھی۔ جس میں، میں بھی شامل تھی مگر میں کسی وجہ سے نہیں جا سکی تھی، جس کا مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا۔'

ثنا یوسف کے خاندان سے مراسم رکھنے والے برہان الدین کا کہنا تھا کہ ثنا نے ایف ایس سی کا امتحان دیا تھا اور وہ مستقبل میں میڈیکل کالج میں داخلے کی تیاری کر رہی تھی۔ 'ان کا خیال تھا کہ وہ میڈیکل کی تعلیم حاصل کر کے چترال میں لوگوں کی خدمت کریں گی۔'





برہان الدین کا کہنا تھا کہ ثنا یوسف کے والد انسانی حقوق کے کارکن اور 'چترال بچاؤ تحریک' کے اہم رکن تھے اور انھوں نے اپنے دونوں بچوں کو بھی انسانیت کا درس دیا تھا۔

'پاکستان میں عورت ہونے کی سزا موت نہیں ہونی چاہیے'

پاکستان کے سوشل میڈیا پر رات سے ثنا یوسف کا نام ٹرینڈ کر رہا ہے اور لوگ ان کے لیے فوری انصاف کا مطالبہ کرتے نظر آ رہے ہیں۔

مونا فاروق احمد نے لکھا کہ 'پاکستان میں خواتین، بچے اور اقلیتیں محفوظ نہیں۔ ہر دن کسی معصوم کو اپنی ہی موت کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ وہ ایک بچی تھی جو زندگی سے بھرپور تھی۔'

ماہین غنی نے لکھا کہ 'پاکستان میں عورت ہونے کی سزا موت نہیں ہونی چاہیے۔'

سماجی کارکن ندا کرمانی نے لکھا کہ 'باہمت، پراعتماد اور خوش رہنے پر خواتین اور لڑکیوں کو نہ صرف قتل کر دیا جاتا ہے بلکہ مردان کی قبروں پر رقص کرنے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں۔

صحافی احتشام الحق نے لکھا کہ '17 برس کی ثنا یوسف اس انجام کی حقدار نہیں تھیں۔ اس معاملے میں جلد از جلد انصاف ہونا چاہیے اور قاتلوں کو ایک مثال بنانا چاہیے۔'

بہن کو آواز آئی کہ شاید کوئی غبارہ پھٹا ہے

'ثنا کو میڈیکل کی فیلڈ پسند تھی، وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔ میں تو اسے منع کر رہا تھا کہ سی ایس ایس کے لیے کوئی اکیڈمی جوائن کر لو مگر اسے میڈیکل کا شوق تھا۔'

سید یوسف حسن چترال میں اپنے گاؤں سے بی بی سی سے بات کر رہے تھے جہاں ان کی 17 سالہ بیٹی ثنا یوسف کی تعزیت کے لیے لوگوں کا تانتا بندھا ہے۔

ثنا یوسف کے والد، سید یوسف حسن نے بی بی سی کو بتایا کہ وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھیں اور 'بہت بہادر' تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ خاندان کے افراد چترال میں جمع ہوئے ہیں جہاں ثنا کو دفن کر دیا گیا ہے۔

ثنا یوسف کے قتل کی پیشرفت سے آگاہ کرتے ہوئے منگل کو آئی جی اسلام آباد سید علی ناصر رضوی نے ڈی آئی جی اور ایس ایس پیز کے ہمراہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا تھا کہ ابتدائی تفتیش کے مطابق ملزم نے ثنا یوسف کی جانب سے خود کو بار بار مسترد کیے جانے پر اسے قتل کیا۔

ان کے مطابق دو جون کو ملزم نے شام پانچ بجے ثنا یوسف کے گھر میں گھس کر انھیں دو گولیاں ماریں۔

'بہن کو آواز آئی کہ شاید کوئی غبارہ پھٹا ہے'

یوسف حسن کہتے ہیں 'یہ لڑکا کیسے گھر میں داخل ہوا، شاید اس نے ریکی کی ہوگی، مجھے نہیں معلوم۔ میری چھوٹی بہن گھر کے اندر موجود تھیں اور یہ لڑکا سیدھا کمرے میں گیا اور میرے بہن کو آواز آئی کہ شاید کوئی غبارہ پھٹا ہے اور وہ یہ دیکھنے کے لیے کیا معاملہ ہوا ہے، بیٹی کے کمرے کی طرف گئی ہیں۔'

'اسی وقت یہ لڑکا ثنا کے کمرے سے نکل کر باہر آیا اور میری بہن پر پستول تانی مگر اس سے فائر نہیں ہوا۔ اس نے فائر کرنے کی کوشش کی پھر وہ بھاگ کر نیچے چلا گیا۔'

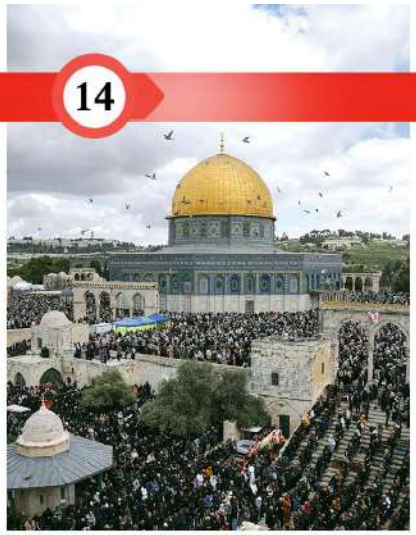
وہ بتاتے ہیں کہ 'میری بہن نے نیچے والوں کو آواز دی، گلی میں جا کر آواز دی کہ ڈاکو آیا ہے اور میرے پر پستول تان کر گیا ہے۔'

یوسف حسن کہتے ہیں کہ اس وقت گھر میں کوئی مرد نہیں تھا۔

'میری بہن گلی میں بھاگتی جا رہی تھی اس وقت تک اسے پتا نہیں چلا کہ وہ لڑکا میری بھتیجی کو گولی مار کر گیا ہے، وہ گلی سے کچھ بندوں کو اور نیچے والی بہن کو لے کر اندر گئی اور ثنا کو دیکھا تو لوگوں کو آواز دی اور اسے گاڑی میں ڈالا۔'

یوسف حسن کے مطابق 'اتنی دیر میں ثنا کی ماں بھی پہنچ گئیں جنھیں بیٹی نے خود مارکیٹ بھیجا تھا کہ جاؤ سرف لے کر آؤ عید آ رہی ہے کچھ کپڑے دھونے ہیں۔'

ثنا کے والد کہتے ہیں کہ 'قاتل نے اسی موقع سے فائدہ اٹھایا اور اندر آ کر ثنا کو مار کر چلا گیا۔'









مسجد الاقصیٰ پر تھرڈ ٹیمپل کی تعمیر:

’وقت کی ریت تیزی سے ہاتھوں سے پھسل رہی ہے‘

گزشتہ ہفتے پیر 26 مئی کو اسرائیل نے یومِ یروشلم منایا۔ یہ وہ دن ہے جب اسرائیل نے 1967ء کی جنگ کے بعد مشرقی یروشلم اور مغربی کنارے پر قبضہ کیا تھا۔ اس دن کی تقریبات میں انتہائی دائیں بازو کے ہزاروں اسرائیلیوں کو سڑکوں پر نکل کر عربوں کو ہراساں کرنے کی قومی تفریح میں مشغول دیکھا گیا۔

اسرائیلی قومی سلامتی کے وزیر اتامار بین گویر کی موجودگی اور ان کی حمایت سے ہجوم نے مسلم کوارٹر کی جانب مارچ کیا جہاں انہوں نے ’عربوں کو موت دو‘ جیسے نعرے لگاتے ہوئے غزہ کے باشندوں کی حالت زار کا مذاق اڑایا جبکہ اسلام اور اس کی معزز شخصیات کے خلاف گستاخانہ نعرے بلند کیے۔ یہ تمام سرگرمیاں اسرائیلی پولیس کے حفاظتی حصار میں کی گئی۔

ماضی کی روایات کے مطابق ان اسرائیلیوں نے الاقصیٰ کے احاطے پر بھی دھاوا بولا جہاں انہوں نے گانا گایا، رقص کیا اور تلمودی رسومات ادا کرتے ہوئے ایک بار پھر نئے نکبہ اور فلسطینیوں کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔ غزہ نسل کشی کی حمایت کرنے والے ایک اہم نام اور صہیونی حکومت کے وزیرِ خزانہ بیزالیل اسموترخ نے بھی اس موقع پر تقریر کی اور ’فتح‘، قبضے اور ’آبادکاری‘ کو اپنے سب سے قیمتی مقاصد کے طور پر بیان کیا۔

ان کا ایک اور بیان جو ان کے سامعین کے کانوں میں شہد گھول گیا وہ ان کی جانب سے اسلام کے مقدس ترین مقامات میں سے ایک، مسجد الاقصیٰ کے مقام پر ’ٹیمپل‘ کی تعمیرِ نو کا مطالبہ تھا۔

اسرائیلی وزیرِ اعظم بنیامن نیتن یاہو نے بھی مسجد اقصیٰ کے زیرِ زمین بڑی سرنگ پر ٹہلتے ہوئے ایک ویڈیو پیغام جاری کیا۔ اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ اس نے یہ سرنگیں آثارِ قدیمہ کی تحقیقات کے لیے بنائی ہیں لیکن وسیع پیمانے پر یہ تصور پایا جاتا ہے کہ زیرِ زمین کھدائی کا مقصد مسجد الاقصیٰ کی بنیادوں کو کمزور کرنا ہے اور ایسا کوئی آثارِ قدیمہ کا ثبوت تلاش کرنا ہے جو انہیں ٹیمپل ماؤنٹ (جسے عرب حرم الشریف کہتے ہیں) پر اپنے مکمل قبضے کا جواز فراہم کر سکے۔ یوں وہ آخرکار نام نہاد تھرڈ ٹیمپل (ہیکلِ سلیمانی) کی تعمیر کر سکیں۔

اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلے اور دوسرے ہیکل کیا تھے؟ تو پہلا ہیکل تقریباً 957 قبلِ مسیح میں تعمیر ہوا تھا جسے چند صدیوں بعد یروشلم کے محاصرے کے دوران سلطنت بابل نے تباہ کر دیا تھا۔

دوسرا ہیکل 538 قبل مسیح میں تعمیر کیا گیا تھا لیکن اسے بھی 70ء میں سلطنت روم کے خلاف یہودیوں کی خونریز اور بدقسمت بغاوت کے نتیجے میں رومی حکمرانوں نے تباہ کر دیا تھا۔

دوسرے ہیکل کی باقیات میں سے صرف اس کی مغربی دیوار باقی رہ گئی ہے جو آج ’ویکنگ وال‘ کہلاتی ہے جہاں تقریباً ہر امریکی سیاستدان کو جانا پڑتا ہے اور یہاں ان کے لیے اسرائیل کے جھنڈے کے ساتھ وفاداری کا عہد کرنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اسی طرح طاقتور اسرائیلی لابیز کے فنڈز اور حمایت کے دروازے ان کے لیے کھلتے ہیں۔

تو نئے ہیکل کی تعمیر کیوں؟ تھرڈ ٹیمپل کی تعمیر کیوں ضروری ہے؟ بعض یہود مذہبی دھڑوں میں یہ غالب سوچ پائی جاتی ہے کہ مسیحا کی آمد کو یقینی بنانے کے لیے تھرڈ ٹیمپل تعمیر کیا جانا چاہیے۔ یہ مسیحا ممکنہ طور پر یہودی بالادستی کے ایک نہ ختم ہونے والے سنہری دور کا آغاز کرے گا جس میں دیگر تمام قومیں ان کی مرضی کی تابع ہو جائیں گی۔

لیکن اس کے لیے پہلے مسجد الاقصیٰ کو منہدم کرنا ہوگا۔ اس کے حق میں سب سے پہلی حقیقی آواز شلوموگورین نے اٹھائی جو اسرائیلی ’دفاعی‘ افواج کے سابق چیف ربی تھے۔ 1967ء میں وہ 50 یہودیوں کو مسجد الاقصیٰ کے احاطے میں دعاؤں کی غرض سے لے گئے اور وہاں ہیکل کی تعمیرِ نو کا مطالبہ کیا۔

یہ وہ دور تھا جب اسرائیل مقبوضہ علاقوں میں عرب آبادی کو قطعی طور پر ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا یا یہ کہہ لیں کہ اسرائیل 1967ء کی جنگ میں شاندار فتح کے باوجود اپنے عرب ہمسایوں کو ایک اور جنگ کا جواز فراہم کرنے کے معاملے میں کسی حد تک احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ اسی اثنا میں ربی شلوموگورین کی مذمت کی گئی اور اسرائیل کے چیف ربیوں نے حکم دیا کہ یہودیوں کے لیے رسمی ناپاکی کی وجوہات کی بنا پر ماؤنٹ ٹیمپل میں داخل ہونا ممنوع ہے۔ ان رسمی ناپاکی کی وجوہات کو اس کالم میں بتانا انتہائی مشکل ہے۔

سرکاری حکم نامے کے باوجود زیرِ زمین کھدائی (اسرائیل کی مذہبی وزارت کے زیرِ اہتمام) کا کام اسی سال شروع ہوا اور مسلم کوارٹر کی کئی عمارتوں کو شدید نقصان پہنچانے کے بعد بھی یہ کام جاری ہے۔

لیکن 2025ء کا اسرائیل 1967ء کے اسرائیل سے انتہائی مختلف ہے کیونکہ یہ ایک قابض بالادست طاقت بن چکی ہے جو فلسطینیوں کی قومیت کو ختم کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔ وہ اس وقت تو انتہائی مذہبی منافرت اور تشدد سے متاثر نہیں ہوا تھا لیکن اب وہ اس کے رنگ میں ڈوبا نظر آتا ہے اور ممکنہ طور پر مستقبل میں بھی اسرائیل ایسا ہی کرتا رہے گا۔

آج کے اسرائیل میں مسجد الاقصیٰ کو تباہ کرنے اور تھرڈ ٹیمپل کی تعمیرِ نو کے مطالبے سامنے آنا عام ہو چکے ہیں۔ اسرائیلی افواج میں شامل سپاہی کسی تردد کے بغیر اپنی وردیوں پر تھرڈ ٹیمپل کے بیج لگاتے ہیں اور اپنی فوجی گاڑیوں پر الاقصیٰ کی فتح کا اعلان کرنے والے بینرز آویزاں کرتے ہیں۔ انہیں بہت سی دولت مند تنظیموں کی مدد بھی حاصل ہے جن میں ٹیمپل انسٹی ٹیوٹ، ٹیمپل ماؤنٹ فیتھ فل اور ایریٹز یسرائیل فیتھ فل تحریکیں شامل ہیں۔

مزید اہم بات یہ ہے کہ انہیں بہت سے امریکی انجیلی مسیحیوں کی حمایت بھی حاصل ہے جو اپنے مذہبی عقائد کے مطابق مسیحا کی آمد کے پیشِ خیمہ کے طور پر ہیکل کی تعمیرِ نو کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اگرچہ انجیلی مسیحیوں کے مطابق وہ یہودیوں سمیت پوری دنیا کو تبدیل کر دیں گے (پھر چاہے وہ تبدیلی آگ اور تلوار سے ہی کیوں نہ لائی جائے) لیکن فی الحال دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہیں۔ البتہ وقت کی ریت تیزی سے ہاتھوں سے پھسل رہی ہے۔





قدیم مصر میں اہرام کی تعمیر کوئی بے ترتیب، بے معنی عمل نہیں تھا اور نہ ہی بادشاہوں کی شان کے لیے پتھروں کے بڑے مقبرے تعمیر کیے جاتے تھے۔

موت کے بعد ابدی زندگی کے خیال کو قدیم مصری فکر میں نمایاں اہمیت حاصل تھی اور یہ ان کی بہت سی دنیاوی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہ اہرام ان کے لیے روحانی مندروں کی حیثیت رکھتے تھے جنھیں وہ قیامت اور مرنے کے بعد دیوتاؤں کے ساتھ اتحاد کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔

قدیم مصری زمین پر رہتے ہوئے اپنی ابدی زندگی کی ضمانت کے لیے ہر ممکن چیز جمع کرنے کے خواہشمند تھے۔ ان کے خیال میں بادشاہ کے

مقبرہ، مندر یا جنت کا راستہ؟

قدیم مصری تہذیب کے اہرام کی تعمیر کے پیچھے چھپے اسرار اور روحانی عقائد کی کہانی



لیے ایک قلعہ بند اہرام مقبرے کی تعمیر موت بعد کی زندگی میں اس کے سفر کو جاری رکھنے کی ایک ابدی ضمانت ہے۔

مصریوں نے اہرام کیوں تعمیر کیے اس سوال نے صدیوں سے لوگوں کو الجھائے رکھا ہے۔ اکثر لوگ اس جواب کی کھوج میں منطق سے ہٹ جاتے ہیں۔ انھوں نے اہرام مصر کے تعمیراتی طریقہ کار اور تعمیر کی وجہ کے بارے میں دلچسپ کہانیاں اور افسانے بُن لیے ہیں۔

اس مضمون میں ہم جن سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کریں گے ان میں: مصریوں نے بادشاہوں کی لاشوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اہرام کی شکل کا سہارا کیوں لیا؟ ان بڑے پتھروں کے بلاکس کی تعمیر کی مذہبی اور فلسفیانہ اہمیت کیا ہے؟ کیا اہرام کو صرف مقبروں کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا؟ اور کیا اہرام کی تعمیر 'مزدوروں کے استحصال اور تشدد' کے ذریعے کی گئی تھی؟

مصر کے بادشاہ اہرام کی شکل کے مقبرے کیوں بناتے تھے؟

ایک سوال جو ہمیشہ پوچھا جاتا رہا ہے کہ قدیم مصر کے بادشاہ اپنے مقبروں کو اہرام کی شکل میں کیوں بنانا چاہتے تھے؟

اس کا جواب ہے کہ وہ اس مخصوص تعمیراتی شکل کو سورج کے متعلق اپنے عقیدے کے اظہار کے طور پر دیکھتے تھے جو قدیم مصر میں مذہبی عقیدے کا مرکزی جزو تھا۔

قدیم مصری اہرام خاص طور پر اس کی چوٹی (جسے قدیم مصری زبان میں 'بینبین' کہا جاتا تھا) کو سورج کی شعاعوں کے زمین پڑنے کے مجسم شکل کے طور دیکھتے تھے۔ اس ہی لیے وہ اپنے بادشاہوں کو ایسے مقبروں میں دفن کرنا چاہتے تھے جن کی شکل سورج کی کرنوں کی طرح ہوتا کہ جب وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں تو وہ جنت میں جا سکیں۔

قدیم بادشاہت (2117-3150 قبل مسیح) کے دوران، مصر کے بادشاہ کو 'دیوتا' سمجھا جاتا تھا۔ اس دور کی اہرام جیسی عمارتوں کی ترتیب اور تقسیم دیوتارا (سورج دیوتا) اور بادشاہ کے قریبی تعلق کو ظاہر کرتی ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ چوتھے خاندان (2392-2520 قبل مسیح) کے دور تک اہرام کو سورج کے متعلق عقیدے میں شامل نہیں کیا جاتا تھا۔

اسکندر بداوی اپنی کتاب 'قدیم مصر میں فن تعمیر کی تاریخ' میں لکھتے ہیں کہ مشرق وسطی میں (1781-2066 قبل مسیح) کے دوران مقبروں کی اوپری عمارتوں نے اہرام کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ان کا اوپری حصہ اہرام کی شکل کا ہوتا تھا جس پر دو آنکھوں کی شکل کندہ ہوتی تھی اور ساتھ میں تحریر درج ہوتی تھی جس میں مرنے والے کو اٹھ کر افق کے رب (سورج) کو دیکھنے کا حکم ہوتا تھا۔

بداوی کے مطابق، مقبرے کے مختلف عناصر میں سورج کا اثر دیکھا جا سکتا ہے جیسے کہ اہرام کے جنازے کے مندر اور اس جگہ سے دریافت ہونے والی تدفین کے لیے استعمال ہونے والی لکڑی کی کشتیوں میں۔

ابدی زندگی کے سفر کا ذریعہ

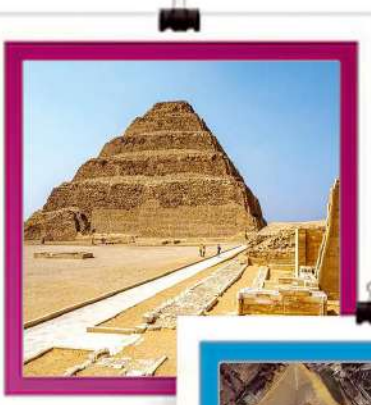
قدیم مصری زبان میں اہرام کو 'میر' کہا جاتا ہے جس کا مطلب اوپر کی طرف جانے والی جگہ ہے۔ یہ ایک واضح اشارہ ہے جو ان کے اس عقیدے کی عکاسی کرتا ہے کہ اہرام 'بادشاہ کی روح کے آسمان پر پہنچنے اور دیوتارا کے ساتھ اتحاد کا ایک ذریعہ ہے۔'

کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ لفظ 'اہرام' ایک قدیم سامی لفظ ہے جس کا مطلب ایک جیومیٹرک شکل ہے جس کی چار سائیڈز ہوتی ہیں اور جو اوپر کی جانب جا کر ایک مرکزی نقطہ پر ملتی ہیں۔

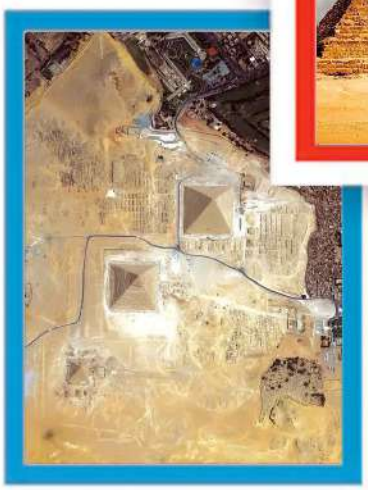
اہرام جس شکل میں موجود ہیں اس تک پہنچنے کے لیے قدیم مصری بہت سے تجربات اور کوششوں سے گزرے۔

اہرام کی تعمیر کے









ابتدائی اشارے پہلے شاہی خاندان (2890-3150 قبل مسیح) کے دور میں پتھر کی ایک پرانی عمارت جسے 'مستبہ' کہا جاتا ہے سے ملتے ہیں۔ اس کے نچلے کونے چوڑے جبکہ اوپر جاتے جاتے یہ عمارت تنگ ہوتی جاتی ہے۔

قدیم مصر کے معمار پہلی مرتبہ اہرام کی شکل کا مقبرہ بادشاہ سنیفیرو (چوتھے خاندان کا پہلا بادشاہ، 2470-2520 قبل مسیح) کے دور میں بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ بادشاہ سنیفیرو کے انجینئرز کے بنائے گئے مقبرے کو سرخ اہرام کے نام سے جانا جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اہرام 'ابدی سفر کا راستہ' اور بادشاہ کے لیے آسمان پر پہنچنے کا ایک ذریعہ تھا۔ مصریوں کا ماننا تھا کہ موت زندگی کا اختتام نہیں بلکہ ایک اور زندگی کا آغاز اور روح کے لیے ابدیت کی دنیا تک کا سفر ہے۔

اہرام کو ایک 'جنت تک پہنچنے کی سیڑھی' سمجھا جاتا تھا۔ یہ بات تیسرے خاندان کے پہلے بادشاہ جوسر (2565-2584 قبل مسیح) کے اہرام کی طرزِ تعمیر سے واضح ہے جسے ایک سیڑھی کی طرح تعمیر کیا گیا ہے۔

اہرام کی تعمیر کے وقت اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ یہ مقبرہ مرحوم بادشاہ کے جسم کو محفوظ رکھ سکے تاکہ اس کی روح محفوظ رہے اور ابدی زندگی میں اس کے تسلسل کو یقینی بنایا جا سکے۔

اس کی ایک وجہ مصری عقیدے میں جسم کو دی جانے والی اہمیت تھی۔ ان کا ماننا تھا کہ انسانی جسم کئی عناصر پر مشتمل ہے، جن میں سب سے نمایاں اور نظر آنے والا پہلو جسم اور 'با' (روح) ہے جو روحانی دنیا میں انسان کی شخصیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ 'با' (روح) کو ہمیشہ ایک پرندے کی شکل میں دکھایا جاتا تھا جس کا سر انسان کا ہوتا تھا۔ 'با' وقتاً فوقتاً اپنے جسم کو دیکھنے کے لیے آتا ہے۔

انسانی جسم میں تیسرا عنصر 'کا' (ہمزاد) ہے۔ مصریوں کا عقیدہ تھا کہ یہ ایک مادی روح ہے جو انسان کے ساتھ پیدا ہوتی اور اپنے مالک کی شکل اختیار کرتی ہے۔ قدیم مصری عقیدے کے مطابق 'کا' جسم کے ساتھ اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ 'با' واپس نہ آجائے اور ان کا ملاپ نہ ہو جائے۔ اس کے بعد مرنے والا اگر یومِ حساب کی آزمائش میں کامیاب ہو جائے تو دائمی نعمتوں کے میدانوں میں داخل ہو جاتا ہے جسے یارو کے میدان کہا جاتا ہے۔ اس امتحان میں ناکامی کی صورت میں اسے ابدی سزا ہو جاتی ہے۔

مصریوں کا خیال تھا کہ روح اور اس کا ہمزاد ایک محفوظ اور برقرار جسم کے بغیر ابدیت کی طرف اپنا سفر جاری نہیں رکھ سکتے۔ لہٰذا، اہرام ایسے ڈیزائن کیے جاتے تھے کہ بادشاہوں کی ممیوں کی مقبروں کے لٹیروں اور قدرتی عناصر سے حفاظت کو یقینی بنایا جا سکے۔ اس مقصد کے لیے اہرام میں پیچیدہ تدفین کے کمرے اور خفیہ حصے تعمیر کیے جاتے۔

مصری ان تدفین کے حجروں میں بادشاہ کی زمینی زندگی میں استعمال ہونے والے اوزاروں اور فرنیچر کے ساتھ ساتھ کھانے پینے کی اشیا رکھتے تاکہ جسم اور اس کے 'کا' کو ابدی زندگی کے لیے اس ماحول میں محفوظ رکھا جا سکے جس کے وہ زمین پر رہنے کے عادی تھے۔

اہرام کی تعمیر کو کائنات کی تخلیق کے نظریہ سے بھی جوڑا جاتا جسے 'ابدی پہاڑی' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

قدیم مصریوں کے عقیدے کے تحت دنیا کی تخلیق سے پہلے جب کوئی انسان یا جاندار نہیں تھے تو پانی کا ایک سمندر تھا۔ اس سمندر کو 'نون' کہا جاتا تھا اور اس کے اندر 'ابدی پہاڑی' موجود تھی۔

سورج دیوتا را نے خود کو تخلیق کرنے کے بعد اس 'ابدی پہاڑی' سے پوری دنیا کو تخلیق کیا۔ لہٰذا، اہرام کو اس مقدس پہاڑی کی علامتی نمائندگی سمجھا جاتا تھا۔

ہمیشہ رہنے والا فنِ تعمیر

ابتدائی شاہی خاندانوں کے بادشاہوں نے اپنے مقبرے زمین کی سطح سے اوپر مستطیل شکل میں بنائے تھے جو مٹی کی اینٹوں سے بنے تھے۔ انھیں 'مستبہ' کہا جاتا تھا۔

شاہی مقبرہ بنانے کا رواج پرانی بادشاہت کے دوران شروع ہوا۔ سقرہ میں جیسر اور سیکھم کیت کے دور حکومت میں سیڑھیوں کے شکل کے اہرام بنانے کا آغاز ہوا اس کے بعد ہنی کے دور حکومت کے دوران دو منزلہ اہرام بنائے گئے۔ دہشور میں سنیفیرو کے دور میں ایسے اہرام بنائے گئے جو دور سے ایک جانب سے ٹوٹے ہوئے دکھتے اور سنیفیرو کے ہی دور میں مکمل اہرام تعمیر کیے گئے۔

شاہی مقبروں کی فنِ تعمیر میں آنے والی فنکارانہ ترقی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ یہ 'مقامی اور مصری' تھے نہ کہ کسی غیر ملکی سوچ سے متاثر ہو کر بنائے گئے تھے۔

اس سے ان دعووں کی تردید ہوتی ہے کہ یہ اہرام کسی ایسی تہذیب کے لوگوں نے تعمیر کیے تھے جن کا برِاعظم بحرِ اوقیانوس میں ڈوب گیا ہے۔

قدیم مصری فنِ تعمیر کا پہلا معروف معمار انجینئر اور وزیر امہوٹیپ (تیسرے شاہی خاندان 2520-2584 قبل مسیح) ہے جس نے سقرہ میں بادشاہ جیسر کا قدیم اہرام تعمیر کروایا تھا۔ امہوٹیپ کو اہرام کی تعمیر کے لیے اینٹوں اور لکڑی کے بجائے پتھر کے استعمال کو شروع کرنے کا سہرا دیا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ امہوٹیپ نے اس کام کے لیے بڑی تعداد میں مزدوروں کو ملازم رکھا، جنھیں کھانا، پینا، لباس، رہائش فراہم کی جاتی اور ان کی ضروری دیکھ بھال بھی کی جاتی۔

'قدیم مصری تاریخ' کے مطالعے پر رمضان عبدو لکھتے ہیں کہ امہوٹیپ بظاہر مذہبی نظریات سے متاثر تھا اسی لیے اس نے ایک ایسا اہرام تعمیر کیا جو شاید سورج کے مندر اور آسمانی دائرے کی طرف بادشاہ کے چڑھنے کی عکاسی کرتا تھا۔

ابتدائی دور میں شاہی مقبرے کسی بھی طرز کی تحریر سے مبرا ہوتے تھے۔ پانچویں خاندان (2282-2392 قبل مسیح) سے تدفین کے حجروں اور ملحقہ راستوں کی دیواروں پر نوشتہ کندہ کیے جانے لگے تاکہ متوفی بادشاہ کو اس کے آخری سفر میں مدد فراہم کی جا سکے۔

بادشاہ اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ ان کے اہرام ان کی اس دنیا کی زندگی سے مطابقت رکھے۔ اسی لیے بادشاہوں کے اہرام اور رانیوں کے چھوٹے اہرام صحرا کے کنارے پر مغرب کے رخ پر قطاروں میں بنے ہوئے ہیں۔

ان کی ایسی ترتیب اس لیے رکھی گئی تھی تاکہ بادشاہ کا وفد مرنے کے بعد اپنے بادشاہ اور سرپرست سے الگ نہ ہو۔

کچھ مغربی سکالرز نے طویل عرصے سے اس دعوے کو فروغ دیا ہے کہ مصر کے اہرام 'غلاموں' نے بنائے تھے جس سے تاریخ کے سب سے بڑے تعمیراتی معجزے کی تعمیر میں 'استحصال اور جبر' کے تصور کو تقویت ملتی ہے۔ تاہم، حالیہ آثار قدیمہ کی دریافتیں ایک بالکل مختلف تصویر پیش کرتی ہیں۔

گیزا اور دیر المدینہ جیسی تعمیراتی جگہوں سے ملنے والے شواہد اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اہرام کی تعمیر میں کام کرنے والے مزدور ریاستی غلام نہیں بلکہ ہنر مند مزدور تھے جو مخصوص رہائش گاہوں میں رہتے تھے اور نہ صرف ان کی خوراک اور صحت بلکہ ان کے آرام کا بھی خیال رکھا جاتا تھا۔ کچھ نوشتہ جات میں کام کرنے والی ٹیموں اور ان کے رہنماؤں کے نام بھی ملتے ہیں جنھیں موت کے بعد اعزازات سے نوازا گیا۔

کیا رعمسیس ثانی ہی حضرت موسیٰ کا ہم عصر وہ فرعون تھا جس کا ذکر قرآن اور انجیل میں بھی آیا؟

انڈیا کی مشرقی ریاست اوڈیشہ میں ایک عدالت نے کالج کے ایک سابق پرنسپل کو نوبیاہتا جوڑے کو تحفے میں پارسل بم بھیجنے کے جرم میں عمر قید کی سزا سنائی ہے۔ ان کے بھیجے گئے اس بم پارسل سے سنہ 2018 میں ایک نوبیاہتا دلہا اور ان کی رشتے میں دادی کی ہلاکت ہوئی تھی۔

اپنے فیصلے میں عدالت نے 56 سالہ پنچی لال مہر کو قتل، اقدام قتل اور دھماکہ خیز مواد کے استعمال کا مجرم قرار دیا ہے۔



کالج پرنسپل کا قاتلانہ تحفہ: شادی میں بم بھیجنے پر عمر قید

انسانی جان کی قدر کہاں گئی؟ انتقام کی آگ میں جلنے والا پرنسپل عدالت کے شکنجے میں آ گیا





یہ کیس 'ویڈنگ بم' کے نام سے مشہور ہوا جس نے پورے ملک کو دنگ کر کے رکھ دیا تھا۔

یہ بم شادی کے تحفے کے طور پر 26 برس کے سوفٹ ویئر انجینیر سومیہ سیکھر ساہو کی شادی کے چند دن بعد ان کے گھر بھیجا گیا تھا۔

جب نوبیاہتا جوڑے نے یہ 'پیکج' کھولا تو یہ پھٹ گیا جس سے سومیہ سیکھر اور ان کی دادی کی ہلاکت ہوگئی۔ سومیہ کی اہلیہ ریما جنھوں نے یہ پیکج کھولا تھا اس دھماکے سے شدید زخمی ہوگئی تھیں۔

عدالت نے استغاثہ کی یہ دلیل تو تسلیم کر لی کہ یہ ایک 'گھناؤنا' جرم تھا۔ تاہم عدالت نے سزائے موت کے لیے اس مقدمے کو 'ایک انتہائی نایاب' مقدمے کی فہرست میں شامل کرنے کی استدعا مسترد کر دی ہے۔

بی بی سی نے اس واقعے کو ایک تفصیلی دو حصوں پر مشتمل تحقیقاتی سیریز میں کور کیا۔

فروری 2018 کا دھماکہ اوڈیشہ کے بولانگیر ضلع کے ایک پرسکون شہر پٹنا گڑھ میں ہوا تھا۔ 23 فروری 2018 کو اوڈیشہ کے پٹنا گڑھ میں شادی کے پانچ دن بعد 26 سالہ سوفٹ ویئر انجینیر سومیہ سیکھر ساہو اور ان کی 22 سالہ بیوی ریما اپنے نئے گھر کے باورچی خانے میں کچن میں پارسل کھول رہے تھے۔ ڈبے میں سبز رنگ کے کاغذ سے کوئی چیز لپٹی تھی جس سے سفید دھاگہ نکل رہا تھا۔ ان کی 85 سالہ دادی جیما منی بھی وہاں پارسل دیکھنے آئیں۔

دھماکے میں ریما کے بازو اور چہرہ جھلس گئے۔ پھیپھڑوں میں دھواں بھر گیا، اور سانس لینا دوبھر ہوگیا۔ ان کے کان کے پردے پھٹ گئے تھے اس لیے اسے بمشکل پڑوسیوں کی آواز سنائی دی تھی جو ان کی مدد کے لیے آئے تھے۔ انھیں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ آنکھ میں دھول پڑ گئی تھی۔

اس کے باوجود ریما رینگ کر بیڈروم تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئیں اور اپنی ساس سے بات کرنے کے لیے فون اٹھایا جو ایک کالج میں پرنسپل تھیں۔ لیکن بات کرنے سے قبل ہی وہ بے ہوش ہوگئی تھیں۔

اس حملے کے چند منٹ کے بعد کی ویڈیو فوٹیج سے پتا چلتا ہے کہ پڑوسیوں نے کس طرح تین زخمیوں کو ایمبولینس تک پہنچایا۔ سومیا سیکھر اور جیما منی 90 فیصد جل چکی تھیں اور وہ زخموں کی تاب نہ لا سکے جبکہ ریما ایک سرکاری ہسپتال میں زیر علاج رہیں۔

اب اس مقدمے کی کئی برس کی تفتیش کے بعد پولیس نے ایک مقامی کالج کے ٹیچر اور سابق پرنسپل مہر کو گرفتار کر لیا تھا۔ ان کے کالج میں سومیہ سیکھر کی والدہ بھی پڑھاتی تھیں۔

تفتیش کاروں نے بی بی سی کو بتایا کہ پنچی لال مہر نے پیشہ ورانہ مسابقت کی بنیاد پر دل میں رنجش پال رکھی تھی اور اس حملے کی منصوبہ بندی کی تھی۔

پولیس کو صرف اتنی بات معلوم ہے کہ پارسل رائے پور سے غلط نام اور پتے سے بھیجا گیا تھا۔ قاتل نے اس کے لیے 400 روپے خرچ کیے اور احتیاط سے کوریئر کمپنی کا انتخاب کیا۔ کوریئر کمپنی کے دفتر میں کوئی سی سی ٹی وی کیمرا نہیں تھا اور پارسل کو سکین بھی نہیں کیا گیا تھا۔

بم والے پارسل نے بس کے ذریعے 650 کلومیٹر سے زیادہ کا سفر طے کیا، اور سومیا تک پہنچنے سے پہلے کئی ہاتھوں سے گزرا۔ تفتیش کاروں نے بتایا کہ یہ ایک خام لیکن مہلک بم تھا جسے جوٹ کے دھاگے میں لپیٹ کر تیار کیا گیا تھا۔

پنچی لال مہر کا پولیس سربراہ کے نام بے نام خط

اس واقعے کے بعد کئی ہفتے گزر گئے مگر کوئی مشکوک شخص کا نام سامنے نہیں آیا۔ تفتیش کاروں نے ہزاروں فون ریکارڈز کی چھان بین کی اور 100 سے زائد لوگوں سے پوچھ گچھ کی، جن میں ایک وہ شخص بھی شامل تھا جس نے ریما کی منگنی کے بعد دھمکی آمیز کال کی تھی اور پھر فون بند کر دیا تھا۔

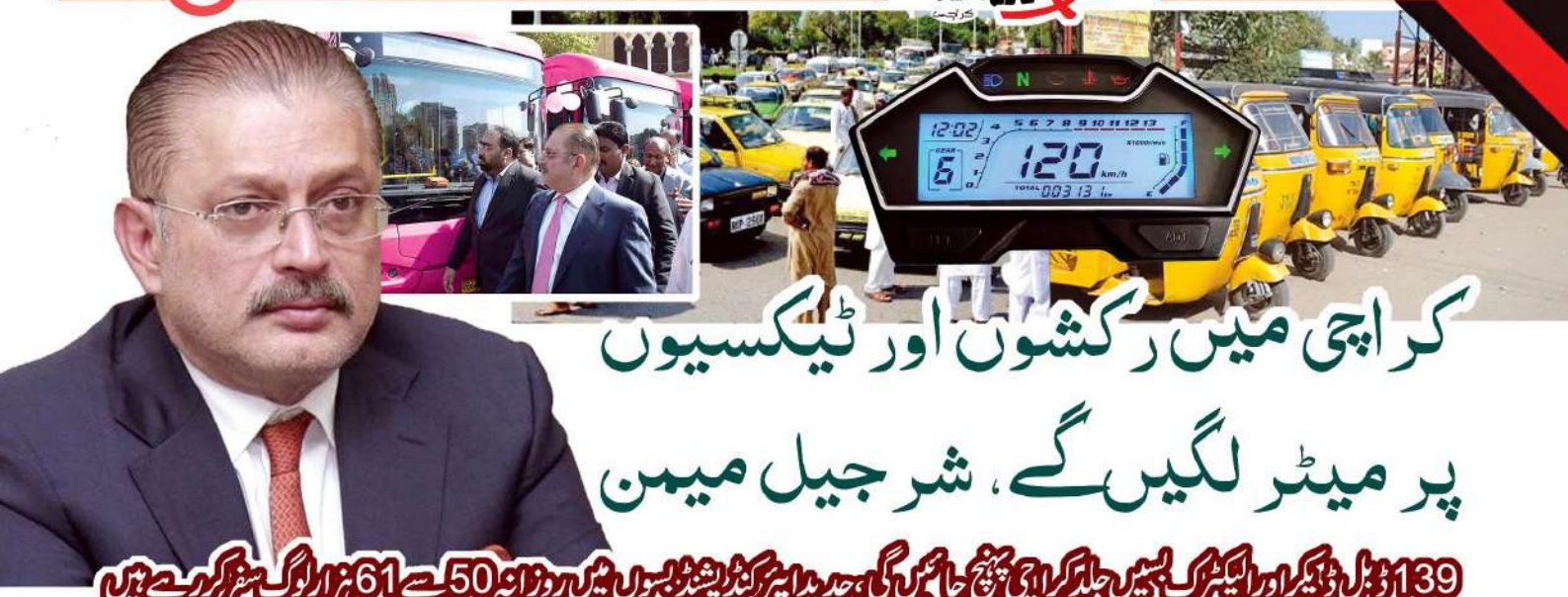
پھر اپریل میں ایک گمنام خط مقامی پولیس چیف کو ملا۔

اس خط میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ بم 'ایس کے سنہا' کے نام سے بھیجا گیا تھا، نہ کہ شرما کے نام سے۔ اس خط میں بتایا گیا کہ کیسے خفیہ طور پر خیانت اور پیسے کی لالچ میں ایسے کیا تھا۔

کوریئر کمپنی کے مقامی مینیجر دلیپ کمار داس نے کہا کہ 'اسی شام ڈیلیوری کرنے والا وہاں گیا لیکن وہاں ایک بڑی شادی کی تقریب تھی اس لیے وہ پارسل دیے بغیر لوٹ آیا۔ اور تین دن بعد یہ پارسل اس کے حوالے کیا۔'

فارنزک ماہرین اب بھی یہ بم کے بارے میں جاننے کی کوششوں میں لگے ہیں کہ یہ بم کتنا طاقتور تھا۔ تفتیش کاروں کا خیال ہے کہ یہ دیسی خام بم تھا جو جوٹ کے دھاگوں میں لپٹا تھا اور دھماکے کے بعد اس سے سفید دھواں نکلا۔

(بقیہ صفحہ نمبر 31)



کراچی میں رکشوں اور ٹیکسیوں پر میٹر لگیں گے، شرجیل میمن

139 ڈبل ڈیکر اور الیکٹرک بسیں جلد کراچی پہنچ جائیں گی، جدید ایئر کنڈیشنڈ بسوں میں روزانہ 50 سے 61 ہزار لوگ سفر کر رہے ہیں

خواتین کے لیے مزید پنک بسیں منگوائی جارہی ہیں، خواتین میں ایک ہزار پنک ٹیکسیاں اور رکشے تقسیم کیے جائیں گے

تحریر: آغا خالد

کراچی، پاکستان کا سب سے بڑا شہر اور اقتصادی مرکز، ہمیشہ سے ٹریفک اور سفری سہولیات کے حوالے سے ایک پیچیدہ مسئلہ رہا ہے۔ لاکھوں شہری روزانہ مختلف قسم کی بسوں، رکشوں، ٹیکسیوں اور نجی گاڑیوں پر انحصار کرتے ہیں تاکہ اپنے روزمرہ کے کاموں اور سفر کی ضروریات کو پورا کر سکیں۔ لیکن اس وسیع شہر میں ٹریفک کے نظام کی پیچیدگی، کرایوں میں بے قاعدگیاں، ناقص سفری سہولیات، اور ماحولیاتی آلودگی جیسے مسائل ہمیشہ عوام کی زندگی کو مشکل بناتے رہے ہیں۔

تاہم، اب سندھ کے اطلاعات و ٹرانسپورٹ کے سینئر وزیر شرجیل انعام میمن کی قیادت میں کراچی کے ٹرانسپورٹ نظام میں انقلابی اصلاحات متعارف کروائی جارہی ہیں، جو بلاول بھٹو زرداری کے وژن کے عین مطابق ہیں۔ یہ اصلاحات نہ صرف شہریوں کی زندگی آسان بنانے کا ذریعہ ہوں گی بلکہ ماحول دوست، شفاف اور خواتین کے حقوق کا بھی خاص خیال رکھیں گی۔

کراچی کے روایتی سفری نظام میں سب سے بڑی شکایت رکشوں اور ٹیکسیوں کے کرایے کے حوالے سے ہوتی رہی ہے، جہاں کرایہ من مانا اور غیر معیاری ہوتا تھا۔ شرجیل میمن نے واضح کیا ہے کہ اب رکشوں اور ٹیکسیوں پر میٹر لگانا لازمی ہوگا اور کرایوں کا تعین ٹریفک قوانین کے مطابق کیا جائے گا۔ حکومت کسی بھی قسم کے دباؤ کو قبول نہیں کرے گی اور ٹریفک پولیس اس منصوبے پر سختی سے عملدرآمد کروائے گی۔

یہ اقدام شہریوں کو کرایہ داری میں بے جا زیادتیوں سے بچانے کے لیے ایک اہم قدم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ موٹر وہیکل انسپکٹرز اور ماہرین مل کر اس منصوبے پر کام کر رہے ہیں تاکہ کرایہ نظام نہ صرف شفاف بلکہ مسافروں کے لیے بھی منصفانہ ہو۔ اس طرح عوام کو اعتماد حاصل ہوگا کہ انہیں صحیح کرایہ ادا کرنا ہوگا اور اوور چارجنگ کا خاتمہ ہوگا۔

جدید بس سروسز: کراچی کی سڑکوں پر نئے انداز کی آمد

کراچی میں بس سروس کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے لیے سندھ حکومت نے کئی نئے منصوبے شروع کیے ہیں۔ اس وقت شہر میں تقریباً 440 بسیں فعال ہیں جن میں فیڈر روٹس اور بس ریپڈ ٹرانزٹ (BRT) سروسز شامل ہیں۔ ان بسوں کا روزانہ تقریباً 50 سے 61 ہزار مسافر استعمال کر رہے ہیں، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ عوامی ٹرانسپورٹ کی سہولیات میں خاطر خواہ بہتری آئی ہے۔

مزید 139 بسیں، جن میں ڈبل ڈیکر اور الیکٹرک بسیں شامل ہیں، جولائی 2025 تک کراچی پہنچ جائیں گی۔ یہ بسیں نہ صرف زیادہ مسافروں کی گنجائش رکھتی ہیں بلکہ ماحول دوست بھی ہیں، جو شہر کی بڑھتی ہوئی آلودگی کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوں گی۔ ان بسوں میں جدید خودکار کرایہ نظام (AFC) اور انٹیلیجنٹ ٹرانسپورٹ سسٹم (ITS) بھی نصب کیے جائیں گے تاکہ مسافروں کو بہتر اور محفوظ سفر کی سہولت فراہم کی جاسکے۔

خواتین کے لیے خصوصی اقدامات:
پنک بسیں، پنک ٹیکسیز اور الیکٹرک اسکوٹیز

خواتین کی سفری سہولتوں اور ان کے تحفظ کے لیے سندھ حکومت نے خصوصی اقدامات کیے ہیں جو نہ صرف ان کے تحفظ کو یقینی بناتے ہیں بلکہ انہیں بااختیار اور خودمختار بنانے میں بھی مددگار ہیں۔

اس سلسلے میں کراچی میں خواتین کے لیے علیحدہ پنک بسیں چلائی جا رہی ہیں، اور مزید پنک بسیں منگوائی جارہی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ہزار پنک ٹیکسیز اور رکشے بھی خواتین میں قرعہ اندازی کے ذریعے شفاف انداز میں تقسیم کیے جائیں گے۔ اس منفرد پروگرام سے خواتین کو اپنے سفر میں سہولت اور تحفظ حاصل ہوگا۔

مزید برآں، ایک ہزار الیکٹرک اسکوٹیز بھی خواتین میں تقسیم کی جائیں گی، جو انہیں مختصر فاصلے کی نقل و حمل میں خودمختار بنائیں گی اور ماحول دوست بھی ہیں۔ یہ منصوبہ خواتین کو خودکفیل بنانے کے سلسلے میں ایک نیا قدم ہے، جو پورے ملک میں منفرد اور قابل تقلید ہے۔

ٹیکنالوجی کا استعمال اور ڈیجیٹلائزیشن:
کرپشن فری نظام کی طرف پیش رفت

محکمہ ٹرانسپورٹ کی ڈیجیٹلائزیشن پر خاص توجہ دی جارہی ہے۔ اب روٹ پرمٹ، فٹنس سرٹیفکیٹس اور دیگر اہم دستاویزات آن لائن جاری کی جارہی ہیں، جس سے کرپشن کے امکانات کم ہوتے ہیں اور عوام کو بہتر خدمات فراہم ہوتی ہیں۔

بسوں اور ٹیکسیوں میں خودکار کرایہ نظام (AFC) متعارف کروایا گیا ہے، جس کی مدد سے مسافر موبائل ایپ کے ذریعے بس بک کر سکتے ہیں، کرایہ ادا کر سکتے ہیں، اور بس کے روٹس کی مکمل تفصیل حاصل کر سکتے ہیں۔ اس جدید نظام سے سفری سہولیات میں آسانی اور شفافیت دونوں یقینی بنائی جارہی ہیں۔

انفراسٹرکچر کی ترقی: ٹریفک روانی کے لیے اقدامات

کراچی میں ٹریفک روانی کو بہتر بنانے کے لیے متعدد انفراسٹرکچر منصوبے بھی زیر عمل ہیں۔ کشادہ یوٹرنز بنائے جارہے ہیں، جدید ٹریفک سگنلز نصب کیے جارہے ہیں، اور عوام کی سہولت کے لیے پارکنگ پلازے اور بس ٹرمینلز کی تعمیر کی جارہی ہے۔

محکمہ ٹرانسپورٹ نے اپنی زمینوں کو قبضہ مافیا سے خالی کروا کر ان پر ڈپو اور بس ٹرمینلز بنانے کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس سے ٹرانسپورٹ کے نظام کو بہتر منظم کرنے اور مسافروں کو سہولت فراہم کرنے میں مدد ملے گی۔

بین الاقوامی تعاون اور سرمایہ کاری

سندھ کے ٹرانسپورٹ منصوبوں میں ایشین ڈیولپمنٹ بینک اور دیگر بین الاقوامی اداروں کی جانب سے سرمایہ کاری اور تعاون جاری ہے۔ ان اداروں کی مالی اور تکنیکی مدد سے سندھ حکومت مزید جدید، ماحول دوست، اور شفاف ٹرانسپورٹ نظام قائم کرنے میں کامیاب ہو رہی ہے۔

کراچی کے سفر میں انقلاب

شرجیل میمن کی قیادت میں کراچی کا ٹرانسپورٹ نظام ایک نئے دور میں داخل ہو رہا ہے۔ یہ اصلاحات نہ صرف شہریوں کی روزمرہ زندگی میں آسانی، تحفظ اور آرام دہ سفر کو یقینی بنائیں گی بلکہ شہر کو ماحول دوست بنانے میں بھی اہم کردار ادا کریں گی۔ خواتین کے لیے خصوصی سہولیات ان کی خود مختاری اور سماجی ترقی کے لیے باعث فخر ہیں۔

اگر یہ منصوبے اپنی مقررہ مدت میں کامیابی سے مکمل ہو گئے، تو کراچی واقعی ایک جدید، محفوظ اور شفاف ٹرانسپورٹ نظام کا حامل بین الاقوامی شہر بن جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی شہریوں کو بھی چاہیے کہ وہ ان اصلاحات کو سمجھیں، قبول کریں اور ان کی حفاظت میں اپنا کردار ادا کریں تاکہ کراچی کی ترقی کا یہ سفر مزید تیز ہو۔



شادی یا نمائش؟

اسراف کے نیچے دبی زندگیاں

تحریر: عروج عباسی

ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں جہاں تعلیم کو بیٹیوں کا زیور سمجھا جاتا ہے، مگر المیہ یہ ہے کہ یہ زیور بھی اُن کے لیے بوجھ بن چکا ہے۔ جیسے ہی بیٹی اسکول میں داخل ہوتی ہے، والدین پر اخراجات کی ایک طویل فہرست کا آغاز ہو جاتا ہے۔ وہ دل و جان سے بیٹی کو پڑھاتے ہیں، اسے باشعور اور قابلِ فخر بنانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن جیسے ہی وہ تعلیم مکمل کرتی ہے، ایک اور کٹھن سفر ان کا منتظر ہوتا ہے: اس کی شادی۔ تعلیم یافتہ بیٹی کی شادی کے تقاضے اور بھی بڑھ جاتے ہیں۔ نہ صرف اچھا رشتہ درکار ہوتا ہے بلکہ ساتھ میں "معقول جہیز" اور "عزت دار تقریب" کی بھی شرط لگ جاتی ہے۔

اس بوجھ میں سب سے بھاری بوجھ ہمارے خودساختہ رسم و رواج اور معاشرتی توقعات کا ہے۔ اگر بیٹی پڑھ گئی ہے تو اب اُس کی شادی کے لیے سونے کے زیورات، مہنگے کپڑے، فرنیچر، برتن، الیکٹرانکس، اور دیگر آسائشیں بھی لازم ہو گئیں۔ لڑکی والے بس یہ دعائیں مانگتے ہیں کہ کسی طرح یہ مرحلہ خیر سے مکمل ہو جائے، لیکن ان دعاؤں کے ساتھ ساتھ وہ قرض کے بوجھ تلے دبنے لگتے ہیں۔

یہ سوال اکثر والدین کی آنکھوں میں جھلکتا ہے کہ اگر تعلیم بھی دی، اور پھر جہیز بھی دینا ہے، تو کیا ہم نے اپنی بیٹی کو انسان بنایا یا ایک "پیکج" تیار کیا؟

یہ مسئلہ صرف لڑکی والوں تک محدود نہیں۔ اب لڑکے والے بھی پیچھے نہیں رہے۔ وہ بھی شادی کو سادگی سے کرنے کے بجائے ایک نمائش بنا چکے ہیں۔ بڑے ہال، مہنگی بارات، میوزک، بینڈ، مہندی کی متعدد تقریبات، مہنگی گاڑیوں میں آمد و رفت، اور سوشل میڈیا پر تصویروں کی بھرمار سب کچھ صرف اس لیے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ یہ "لوگ" کون ہیں؟ وہی جو نہ مشکل وقت میں ساتھ ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی دکھ کی گھڑی میں سہارا بنتے ہیں، لیکن خوشیوں میں عیب نکالنے کا ہنر بخوبی جانتے ہیں۔

آج کل سادگی کو کمزوری سمجھا جاتا ہے اور اسراف کو فخر کا باعث۔







اگر کوئی شخص سادہ سی تقریب میں بیٹے یا بیٹی کی شادی کرتا ہے تو اُسے طرح طرح کے طعنے سننے کو ملتے ہیں، جیسے: "کوئی مسئلہ تھا؟"، "کیوں اتنی خاموشی سے کی شادی؟"، "کیا بیٹی یا بیٹے میں کوئی کمی تھی؟"۔ یہ معاشرہ نمود و نمائش کو عزت کا پیمانہ بنا چکا ہے، اور حقیقی رشتوں کی گہرائی کہیں پسِ پشت چلی گئی ہے۔

دوسری طرف، کئی شادیاں ایسی بھی ہیں جو بظاہر شاندار ہوتی ہیں، لیکن ان کی بنیاد قرض، دباؤ اور نمائش توقعات پر رکھی جاتی ہے۔ شادی کا دن تو روشنیوں میں ڈوبا ہوتا ہے، مگر شادی کے بعد زندگی اندھیروں میں ڈھل جاتی ہے۔ جب شوہر بیوی سے توقع کرتا ہے کہ وہ سسرال والوں کی ہر خواہش پوری کرے، جب ساس جہیز کی کمی گنواتی ہے، جب معاشرہ بیٹی کی عزت کو اس کے لائے ہوئے سامان سے جوڑتا ہے، تو وہ رشتہ اندر ہی اندر ٹوٹنے لگتا ہے۔ کئی بار لڑکیاں ذہنی دباؤ کا شکار ہو کر خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگتی ہیں، اور کچھ گھرانے تو محض اسراف کی وجہ سے برسوں قرض چکاتے رہتے ہیں۔

ایسے حالات میں شادی ایک خوشی کا موقع نہیں بلکہ خوف کا سایہ بن جاتی ہے۔ وہ بیٹی جو ایک روشن مستقبل کی امید لے کر پروان چڑھی تھی، شادی کے بعد طعنوں، تقاضوں اور قرضوں کی زنجیروں میں جکڑ جاتی ہے۔ وہ بیٹا جسے خاندان کی سربراہی سنبھالنی تھی، قرض اتارتے اتارتے خود کو بوجھ محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور والدین؟ وہ ساری زندگی یہ سوچ کر گزار دیتے ہیں کہ شاید انہوں نے کچھ کمی کر دی تھی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان روایتوں کو بدلیں، ان خولوں کو توڑیں جو ہم نے خود اپنے گرد بنائے ہیں۔ ہمیں سمجھنا ہوگا کہ شادی دو انسانوں کے درمیان ایک پاکیزہ رشتہ ہے، نہ کہ ایک دن کی نمائش۔ اگر ہم واقعی اپنی نسل کو بہتر مستقبل دینا چاہتے ہیں تو انہیں سادگی، اعتدال اور حقیقی محبت کا مطلب سکھانا ہوگا۔ شادی کو آسان، بابرکت اور سادہ بنانا ہوگا تاکہ رشتے مضبوط ہوں، دلوں میں سکون ہو، اور زندگی کا آغاز بوجھ سے نہیں بلکہ دعا سے ہو۔

اللہ پاک ہم سب کو توفیق دے بے جا اسراف کرنے سے پرہیز کرنے کی میرا خیال ہے جتنا خرچہ لڑکے والے فائرنگ اور ڈھول باجے پہ کرتے ہیں جو سراسر پیسے کا ضیاع ہے

اور جو کھانے پہ اتنا خرچہ کرتے ہیں نت نئی ڈشیز جو کھاتے کم اور ضائع کرتے ہیں وہی کسی غریب کے لیے لگا دیں کسی غریب کو دو وقت کا کھانا ہی کھلا دے تو کم سے کم آخرت میں بھی سرخرو ہو سر اٹھا سکے کہ ہمسایا بھوکا نہیں سویا۔



بھارت آگے نکلا یا جاپان پیچھے رہ گیا؟

اقتصادی مقابلے میں کھلا راز: حقیقت، اعداد و شمار، اور وہ جو آپ کو بتایا نہیں جا رہا۔۔ جی ڈی پی کے اعداد و شمار کے پردے کے پیچھے کیا ہو رہا ہے؟ ایک تفصیلی جائزہ

گذشتہ ہفتے سنیچر کو انڈین حکومت کے ادارے نیتی آیوگ یعنی پلاننگ کمیشن کے چیف ایگزیکٹو آفیسر بی وی آر سبرامنیم نے ایک بیان جاری کیا جس میں دعویٰ کیا گیا کہ جاپان کو پیچھے چھوڑتے ہوئے انڈیا دنیا کی چوتھی سب سے بڑی معیشت بن گئی ہے۔

لیکن اس کے دو ہی دن بعد یعنی سوموار کو اسی ادارے کے ایک رکن اروند ورمانی نے کہا کہ 'انڈیا 2025 کے آخر تک دنیا کی چوتھی سب سے بڑی معیشت بن جائے گا۔'

اس کے بعد سے سوشل میڈیا پر جی ڈی پی (یعنی کل پیداوار) اور فی کس آمدنی کے حوالے سے بات کی جا رہی ہے اور یہ سوال بھی اٹھایا جا رہا ہے کہ کیا انڈیا واقعی دنیا کی چوتھی بڑی معیشت بن چکا ہے؟

ان دعوؤں کے درمیان کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ انڈیا ایک بہت بڑی آبادی کے ساتھ اقتصادی طور پر درست سمت میں ترقی کر رہا ہے جبکہ کچھ ماہرین اقتصادیات نے جی ڈی پی کے بارے میں دعوے کرنے میں جلد بازی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اپریل میں انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (آئی ایم ایف) نے بھی ورلڈ اکنامک آؤٹ لک رپورٹ میں اندازہ لگایا تھا کہ 2025 تک انڈیا 4.187 ٹریلین امریکی ڈالر کے ساتھ دنیا کی چوتھی بڑی معیشت بن سکتا ہے۔

نیتی آیوگ کے سربراہ سبرامنیم نے کیا کہا؟

سنیچر کو سبرامنیم نے ایک عوامی تقریب میں کہا: 'جیسا کہ میں ابھی بول رہا ہوں، ہم اس وقت دنیا کی چوتھی سب سے بڑی معیشت ہیں۔ ہم 4 ٹریلین ڈالر کی معیشت ہیں اور یہ میرا ڈیٹا نہیں ہے۔ یہ آئی ایم ایف کا ڈیٹا ہے۔ آج انڈیا جی ڈی پی کے لحاظ سے جاپان سے بڑا ہے۔'

تاہم، آئی ایم ایف کے اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بیان وقت سے پہلے دے دیا گیا ہے، جبکہ حقیقت میں جی ڈی پی کے معاملے میں انڈیا نامینل جی ڈی پی یا برائے نام جی ڈی پی کے معاملے میں جاپان کو پیچھے چھوڑ کر 2025 کے آخر تک چوتھی سب سے بڑی معیشت بن سکتا ہے۔

برائے نام جی ڈی پی درحقیقت افراط زر کی شرح کو ایڈجسٹ کر کے لگایا جاتا ہے، جبکہ اس کے بغیر کیے جانے والے حساب کو حقیقی جی ڈی پی کہا جاتا ہے۔

انڈین خبر رساں ادارے پی ٹی آئی کو دیے گئے ایک انٹرویو میں نیتی آیوگ کے رکن اروند ورمانی نے کہا: 'انڈیا چوتھی سب سے بڑی معیشت بننے کے عمل میں ہے۔ ذاتی طور پر، مجھے یقین ہے کہ 2025 کے آخر تک ایسا ہو جائے گا، کیونکہ اس کے لیے مالی سال کے تمام 12 مہینوں کے لیے جی ڈی پی ڈیٹا کی ضرورت ہے۔ اس لیے ابھی کے لیے یہ ایک پیشن گوئی ہی رہے گی۔'

سبرامنیم کے بیان پر انھوں نے کہا: 'یہ ایک پیچیدہ سوال ہے اور میں واقعی میں نہیں جانتا کہ کسی نے کیا کہا، ہو سکتا ہے کہ کچھ الفاظ رہ گئے ہوں۔'

تاہم اقتصادی ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انڈیا جلد ہی چوتھی بڑی معیشت بن سکتا ہے۔

پالیسی اور جیو پولیٹکس کے حکمت عملی ساز سدھارتھ کا کہنا ہے کہ حالیہ برسوں میں انڈیا کی فی کس آمدنی زیادہ تر یورپی ممالک کے مقابلے میں تیزی سے (فیصد میں) بڑھی ہے۔

سوشل میڈیا پلیٹفارم ایکس پر ایک پوسٹ میں انھوں نے لکھا: 'جب بھی انڈیا کی معیشت ترقی کرتی ہے، تو کوئی نہ کوئی رٹی رٹائی بات کہتا ہے کہ فی کس جی ڈی پی کم ہے۔ انڈیا مونا کو نہیں ہے۔ یہ 1.4 بلین لوگوں کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔'

انھوں نے مزید لکھا کہ 'سنہ 2023 میں فی کس آمدنی میں 2.9 فیصد اضافہ ہوا، جو یورپ کے بیشتر ممالک سے زیادہ ہے۔ آپ کسی بڑے ملک کی میٹرکس سے پیمائش نہیں کرتے۔ آپ اسے رفتار، پیمانے اور سٹریٹجک اثر و رسوخ سے ناپتے ہیں۔ انڈیا آگے نہیں بڑھ رہا ہے، بلکہ وہ آگے نکل رہا ہے۔ اس (فرق) کو سمجھنا ہوگا۔'

ایک اور پوسٹ کا جواب دیتے ہوئے سدھارتھ نے لکھا: 'انڈیا صحیح راستے پر ہے اور اس کی فی کس آمدنی اب بھی بڑھ رہی ہے اور جمود کا شکار نہیں ہے۔ بڑی آبادی کا ہونا یقینی طور پر اہمیت رکھتا ہے۔'

بہر حال دہلی کی معروف جواہر لعل نہرو یونیورسٹی (جے این یو) میں معاشیات کے سابق پروفیسر ارون کمار نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ 'برائے نام جی ڈی پی جاپان کو پیچھے چھوڑنا آئی ایم ایف کا تخمینہ ہے اور یہ دعویٰ کرنے میں جلد بازی کی گئی ہے۔'

معاشی ماہرین کیا کہتے ہیں؟

کسی ملک کی معیشت کی صحت کو جانچنے کا ایک عام طریقہ جی ڈی پی کا حساب لگانا ہے، جو کہ عام طور پر ڈالر میں ہوتا ہے، جب کہ بین الاقوامی کرنسی مارکیٹ میں اتار چڑھاؤ جاری رہتا ہے۔

پروفیسر ارون کمار کا کہنا ہے کہ 'آئی ایم ایف کا 2025 کے آخر تک انڈیا کی جی ڈی پی کا تخمینہ 19.4 ٹریلین ہے جبکہ جاپان کی معیشت کا تخمینہ 4.186 ٹریلین ہے۔ یہ اندازے ڈالر میں ہیں اور فرق بہت معمولی ہے، لیکن اگر روپیہ جاپانی کرنسی کے مقابلے میں اتار چڑھاؤ آتا ہے تو یہ فرق بڑھتا رہے گا۔'

اس کے علاوہ آئی ایم ایف نے 2025 کے لیے انڈیا کی جی ڈی پی کی شرح نمو 6.2 فیصد اور افراط زر کی شرح 4.2 فیصد رہنے کا اندازہ لگایا ہے۔ ایسے میں اگر یہ اعداد و شمار مستحکم نہیں رہے تو حالات جوں کے توں رہ جائیں گے۔

نیتی آیوگ کے سربراہ بی آر سبرامنیم کا کہنا ہے کہ اگر انڈیا اپنی منصوبہ بندی اور سوچ کے مطابق کام کرتا ہے تو اسے تیسری بڑی معیشت بننے میں صرف دو سے تین 3 سال لگیں گے۔

آئی ایم ایف کی اپریل کی رپورٹ کے مطابق موجودہ ترقی کے مطابق انڈیا جرمنی کو پیچھے چھوڑتے ہوئے برائے نام جی ڈی پی کے لحاظ سے 2028 تک دنیا کی تیسری بڑی معیشت بن سکتا ہے۔

امریکہ اور چین دنیا کی سب سے بڑی دو معیشت والے ممالک ہیں۔

پروفیسر ارون کمار کا کہنا ہے کہ آئی ایم ایف ڈیٹا اکٹھا کرنے والا ادارہ نہیں ہے اور وہ ان ممالک کے فراہم کردہ ڈیٹا کی بنیاد پر تخمینہ لگاتا ہے۔

وہ کہتے ہیں: 'جی ڈی پی کے اعداد و شمار کو ہر سہ ماہی میں درست کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مکمل اعداد و شمار دو سال کے بعد آتے ہیں۔ سہ ماہی کے اعداد و شمار میں درست جی ڈی پی کے اعداد و شمار نہیں ہوتے ہیں، اور جو اعداد و شمار آتے ہیں، ان میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو کچھ منظم شعبے میں ہو رہا ہے، وہی غیر منظم شعبے میں بھی ہو رہا ہے۔'

'لیکن نوٹ بندی اور پھر کووڈ لاک ڈاؤن کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ زوال پذیر شعبہ بڑھ رہا ہے۔ اس سے ہماری جی ڈی پی کی نمو میں اضافہ ہوتا ہے اور اعداد و شمار کے ساتھ یہی مسئلہ ہے۔'

پروفیسر ارون کمار کہتے ہیں: 'ٹرمپ کی ٹیرف وار سے عالمی معیشت کو

(بقیہ صفحہ نمبر 31)